لہ دعوۃ الحق

جلد نمبر ۲ — شمارہ نمبر ۱۱ — ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ / اگست ۱۹۶۷ء

زر سالانہ چھ روپے — فی پرچہ ۵۰ پیسے — غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

مشرقی پاکستان بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپیہ سالانہ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عربوں کے حالیہ المیہ سے یہ حقیقت ایک بار پھر روزِ روشن کیطرح عیاں ہو چکی ہے۔ کہ سرخروئی اور کامیابی کے لئے مسلمان قوم کا ایمانِ محکم، اعمالِ صالحہ سے آراستگی، دینی روح اور اسلامی جذبات سے سرشاری، دینی ورثہ اور اسلامی روایات سے والہانہ فدائیت، اعلاءِ حق اور دین کے لئے مر مٹنے کا جذبہ نہایت ضروری اور ناگزیر ہے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی طبقہ یا علاقہ ان اعلیٰ مومنانہ صفات اور خصوصیات سے محروم ہو جاتا ہے تو ناممکن ہے کہ صرف مادی اسباب و وسائل، ظاہری شان و شوکت، آلاتِ حرب و ضرب اور عددی قوت و کثرت اسے اس ذلت اور خذلان سے بچا سکے جسے صریح انداز میں خداوند کریم نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے: ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ ـــــ مگر یاد رہے۔ کہ مسلمانوں کا ان ایمانی اوصاف سے اتصاف تب ممکن ہے کہ اپنے روحانی سرچشمہ اور اسلامی تعلیمات، کتاب و سنت اور اسوۂ رسولؐ و صحابہؓ سے ان کا رشتہ اور تعلق بہت گہرا اور مستحکم ہو۔ اس تعلق کے قیام و استحکام کی سب سے بڑی ذمہ داری علوم اور تعلیماتِ اسلام کی نمائندگی کرنے والے اس طبقہ پر عائد ہوتی ہے۔ جسے "علماء کرام" اور رہنمایانِ دین و شریعت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور جن کا مقام و منصب ایک مسلم معاشرہ میں دینی امامت و سیادت اور وراثت و نیابتِ نبوت کا ہے۔ ایمان و ہدایت کے یہ سرچشمے اگر متحرک، پُرجوش، باعزم ہوں گے تو ملت کی سوکھی کھیتیوں کی آبیاری ہو سکے گی۔ اور اسلامی اقدار و روایات کی روشنی میں تاریک دل منوّر ہو سکیں گے ـــــ ضروری ہے۔ کہ وہ خود ان علومِ ربانی اور ہدایاتِ نبوی کا عملی نمونہ ہوں۔ اور مجسّم ایمان و یقین اور عملِ صالح بن کر قوم کے سامنے آئیں۔ ان کا وجود اسوۂ نبویؐ اور سیرتِ صحابہؓ کا زندہ اور چلتا پھرتا پیکر ہو۔ وہ حرص و لالچ، طمع و خوف کی تمام آلائشوں سے پاک ہوں، دنیا کی فانی لذت اور عیش و عشرت کی چمک دمک سے ان کی آنکھیں خیرہ نہ ہوں، دنیا کی بڑی سے بڑی قوت و سطوت اور وعدہ وعید سے ان کے قدم جادۂ حق سے نہ ڈگمگائیں۔ وہ بغیر کسی امیدِ نفع اور جاہ طلبی کے

بلاخوف لومۃ لائم، اجر آخرت، خوشنودی مولیٰ اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر شاہانہ رعب اپنے فرائض منصبی ادا کئے جائیں اور راہ حق میں ان کی پرواز ہر قسم کی مادی اور دنیاوی بندشوں سے آزاد ہے۔

"وارثین انبیاء" کا اتنا اونچا اور کامل معیار جب معاشرے کے سامنے آئے گا، تو لازماً ان کی گرفت ملک وملت پر مضبوط اور راسخ ہوتی جائے گی۔ ان کی عقیدت اور گرویدگی کی جڑیں قوم کے قلوب سے اور شاخیں آسمانوں سے پار ہونگی اور اس "کٹر ملائیت" اور "مذہبی اجارہ داری" کے صدقے قوم کی اکثریت اس دین فطرت اور صبغۃ اللہ میں رنگ جائے گی جسے آپ "کٹر ملائیت" "دقیانوسی" اور رجعت پسندی سے پکارتے ہیں۔ عرب عوام کے سامنے عرصہ سے اس ملائیت کے نورانی اور عرفانی نمونے نہیں آرہے تھے، وہاں کے علماء کی اکثریت نے عوام کے پیچھے چلنا شروع کردیا۔ حرص وآز اور عہدہ ومنصب نے ان کے ضمیر اور قوت ایمانی کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ یا پھر وہ قوت وطاقت، عہدہ ومنصب کی پُرفریب سنہری زنجیروں میں پابند سلاسل ہوئے۔ وہ خود رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ کو چھوڑ بیٹھے اور یہود ونصاریٰ کے تمدن میں ڈوب گئے منبر ومحراب میں اقتدار کی دست اندازیوں سے کلمۂ حق اور اعلائے اقتدار کی اشاعت کے راستے مسدود ہوگئے۔ تو لازماً مسلم معاشرہ پر ان کی گرفت کمزور پڑگئی اور پورا معاشرہ مادیت اور نام نہاد تمدن کے قعر مذلت میں گرتا چلاگیا، قومی خودداری، دینی احساس وشعور، جہاد اور جان نثاری کے جذبات سرد پڑگئے۔ اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جانے لگی۔ اور صرف سائنس اور ٹکنالوجی اور عصری علوم اور نظریات سے کام نہ چل سکا۔

"تجدد پسندوں" اور "روشن خیالوں" کا وہ طبقہ جو اس ملک میں "علماء اور ملائیت" کی کمر توڑنے کے درپے ہے۔ اور اپنی اس مذہبی انار کی اور مذہبی گرفت سے آزادی کے لئے وہ آئے دن مصر عراق، ترکیہ اور لبنان، افغانستان اور ایران کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ یہاں بھی وہی تاریخ دہرانا چاہتے ہیں۔ جو مصر وشام میں دہرائی گئی۔ اور اس سے پہلے اندلس و البانیہ میں یا سمرقند وبخارا اور وسط ایشیا کے دیگر اسلامی حصوں میں۔ کیا ان ممالک میں اسلام کا زوال اپنے وقت کی سائنس اور ٹکنالوجی کے انتہائی عروج کے زمانہ میں شروع نہیں ہوا۔ مادی قوت اور دنیاوی ترقی کے منتہائے کمال کے وقت "ملائیت" کی گرفت ان ممالک میں ڈھیلی

پڑگئی اور نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہؤا کہ انہوں نے ملائی نظام کی کمر توڑ دی تھی اور ملائیت سے پیچھا چھڑانے لگے تھے۔ جن ممالک کا نام لیکر آپ "ملائیت اور راسخ العقیدہ اسلام کو یہاں گردن زدنی قرار دے رہے ہیں، کیا ان میں سے بہت سے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہم سے آگے نہ تھے۔؟ اور اگر مان لیا جائے کہ وہ سائنسی لحاظ سے کمزور رہتے تو "ملائیت" نے ہمیں کب سائنسی ترقیات سے روکا۔؟ کہ سارا الزام اس کے سر پر تھوپا جائے۔ "اسلام" کی وہ کونسی بنیادی تعلیم ہے۔ اور اعاظم و اکابر اسلام کی وہ کونسی شخصیت ہے جو اس طویل تاریخ میں سائنسی اور حربی ترقیات میں رکاوٹ بنی ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی سے مراد اگر مادی ترقیات اور ملک کی حفاظت و بقاء اور دشمن کی مدافعت کی خاطر جنگی استعداد بڑھانا ہے تو وہ اسلام ہی ہے جس نے دشمن کے خلاف تیاری، اعداد اور استعداد کو کسی حال سے مشروط اور کسی مقدار سے محدود نہیں کیا۔ اس نے اساسی ارکان نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کے لئے تعداد و زمان کی حدود و قیود مقرر کیں۔ مگر یہ کہہ کر جہاد اور جنگی تیاریوں کے لئے ہمہ وقتی اور ہر ممکن جدوجہد کرنے کا حکم دیا کہ واعدوالھم ما استطعتم اس کے لئے کوئی حد و قید نہیں اور جتنا بھی آپکا بس چلے دشمن کے مقابلہ میں تیاری کرو۔ یہ استطاعت اپنے اندر لامحدود مفہوم رکھتی ہے۔ ہاں اگر سائنس اور ٹکنالوجی کے تکرار عصری تقاضوں اور زمانے کی رفتار کے ورد اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے ترجمانی کی نصیحت سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا امتیاز ختم کر دیا جائے۔ اور اسلام کو سود، قمار، شراب، بے پردگی، فحاشی میں رکاوٹ نہ بنایا جائے۔ نام نہاد اقتصادی اور معاشی ترقیوں کی خاطر نہ تو نماز روزہ، حج و زکوٰۃ پر وقت ضائع کیا جائے اور نہ ان اصطلاحات پر زور دیا جائے۔ بلکہ ان کی "روح" کو کافی سمجھا جائے عصر حاضر کے ہر لادینی ازم اور تحریک کے ساتھ اسلام کا پیوند لگایا جائے۔ اسلام کے تعبیرات اور اساسی اصول پر نہ اڑا جائے۔ تو یقین جانیئے کہ ایسا کرنا صرف ملائیت نہیں اسلام اور اسلامیت ہے، محمدیت اور صدیقیت ہے۔ یہ ملائی نظام نہیں فاروقی ؓ نظام ہے۔ یہ ملا ازم نہیں عثمان ؓ و علی ؓ اور تمام صحابہ کرام کا ازم ہے۔ پھر آپ کو کھلکے "ملائیت" کی بجائے "اسلامیت" کا لفظ استعمال کرنا چاہیئے۔

بحمد اللہ جیسا کہ روشن خیالوں کو اعتراف ہے ہمارے ان ملائیت اور بالفاظ دیگر

"اسلام اور محمدیت" کی گرفت مضبوط ہے تو ملک بھی محفوظ ہے۔ یہ پنجہ جتنا سخت رہا، اتنا ہی ملک وملت کے حق میں مفید اور جب بھی کمزور پڑا اتنا ہی ہلاکت آفرین ثابت ہوا۔ اگر مغل تاجدار "اکبر دی گریٹ" کے آہنی پنجے اس خدائی حصار کو نہ توڑ سکے اور نہ انگریز برصغیر کے مسلمانوں کو ڈیڑھ سو سال کے جابرانہ اور مستبدانہ حربوں سے ہضم کر سکا، تو یہ نتیجہ تھا اس "ملائیت" اور ملائی نظام کے مراکز مدارس، مساجد اور خانقاہوں کا، جس کے علمبردار تھے حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی، سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر، شاہ ولی اللہ، اور شاہ عبدالعزیز دہلوی، سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حجۃ الاسلام محمد قاسم نانوتوی، شیخ رشید احمد گنگوہی، اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی، شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادی۔ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبدالباری فرنگی محل اور مولانا محمد علی و شوکت علی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اور مورخِ وقت علامہ سلیمان الندوی۔ علامۂ وقت مولانا انور شاہ کشمیری اور مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دیگر حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ، یہ لوگ "ملائیت" کے اعلیٰ نمونے، انسانیت کے روشن مینار اور آزادی وحفاظت کے آہنی حصار نہ ہوتے تو آج آپ کی تاریخ اندلس اور البانیہ سے مختلف نہ ہوتی اور آپ کی "مسجد وخانقاہ" کا بھی وہی عالم ہوتا جو روس کے اسلامی علاقوں میں ہے۔ پس یہاں کے باشعور اور حساس مسلمانوں کو سوچنا ہے کہ انہیں کونسی راہ اختیار کرنی چاہئے۔

○
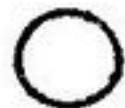
مشرقِ وسطیٰ کے حادثہ پر ایک ماہ کے غور وفکر کے بعد جنرل اسمبلی کا اجلاس ختم ہو گیا۔ اس پوری مدت میں اس کا صرف ایک مسئلہ پر "اجماع" ہو سکا، اور وہ تھا اجلاس کو برخواست کرنے کی "قرارداد" گویا مغرب کے اس طلسماتی چکر کا ڈھونگ صرف برخاستند کے لئے رچایا گیا تھا۔ اصل مسئلہ پر قرارداد تو کیا مذمت کا کوئی لفظ بھی منظور نہ ہو سکا ــــــ ظلم وانصاف کی تاریخ کا جائزہ لینے والا مورخ اس انکشاف سے مبہوت ہوگا کہ دنیا میں مظلوم کی داد رسی اور حق وانصاف کا گلا سب سے زیادہ بے دردی اور عیاری سے جس "ادارے" کے ذریعہ گھونٹا گیا اس کا نام اقوام متحدہ تھا۔ حقوق انسانی اور انسانی قدر واحترام اور آزادیٔ اقوام کا محافظ وپاسبان ادارہ ـــ جو برعکس نہند نام زنگی کافور ــــ دنیا بھر میں ہر سال اس کے انصاف اور مساوات پروری

کے دن منائے جاتے رہے۔ مغرب تو مغرب مشرق بھی اپنی سادہ لوحی سے اسکی جمہوریت نوازی کے ڈھنڈورے پیٹتا رہا۔ مظلوم و بےکس "اسلامی مشرق" کی اس ادا سے بے نیازکیشی کا تو یہ عالم تھا کہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ بعد اس "کالی دیوی" کے قدموں پر سینکڑوں نہیں ہزاروں انسانوں کا خون نثار کرتا رہا ـــــ مغربی سامراج کے اس خونخوار "عفریت" کے "مقدس چارٹر" کی روشنی میں خدا کی بستیاں اجڑتی رہیں، انسانی قافلے گھر بار سے بھٹکتے اور کٹتے رہے، ناموس لٹتے رہے مخلوقِ خدا کی بے بس آبادیاں اسکی "حرام پیداوار" کے ہاتھوں نیپام بموں سے جلتی رہیں، یہ قبرص و فلسطین اور یہ کشمیر، ایتھوپیا اور روڈیشیا اور خاص طور سے جنوبی ویٹ نام اور خود "سفید فام بندروں" کے سیاہ فام نیگرو علاقے، یہ سب ادارۂ اقوام کی "عدل پروریوں" کے شاہدِ عدل ہیں ـــــ اسکی سحر طرازیوں کا بھی عجیب حال ہے۔ کہ جب بھی اس نے انسانیت کو خونی پنجہ میں کسا لوگوں نے اسی کی دہائی دی اور اسی کو پکارتے رہے ـــــ آنیوالی نسلوں کو بیسویں صدی کی یہ منحوس حقیقت حیرت میں ڈالے گی کہ ابلیس نے اپنی زندگی میں ظلم و شیطنت کے جو سب سے بڑے ڈرامے کھیلے ان کی سٹیج یہی اقوامِ متحدہ تھا جسے چاروں طرف سے انسانی حقوق، مساوات، اور آزادی اقوام کے خوشنما پردوں سے سجایا گیا تھا۔ مگر حقیقت بینوں کیلئے مستقبل کے انتظار کی کیا ضرورت۔؟ اسکی سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی کے حالیہ کردار نے یہ پردے ابھی سے چاک کر دئے ہیں۔ پردے کے پیچھے کیا ہے؟۔ انسانیت کا بین الاقوامی مذبح، عدل و انصاف کی سب سے بڑی قربان گاہ، انسانی حقوق اور آزادیٔ اقوام کے نئے ایک گالی۔ یہ اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہے جس کا نام ہے اقوام متحدہ ـــــ۔

O
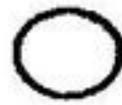
۱۸؍جولائی ۱۹۶۷ء کو انگلینڈ کے ہاؤس آف کامنس (دارالعوام) نے ۱۴ مخالف اور ۶۹ موافق ووٹوں سے تالیوں کی گونج اور پر جوش خیر مقدم سے اس بل کو منظور کر لیا کہ بالغ مرد باہمی رضامندی سے تلذذ جنسی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور قانون کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ بل کی منظوری کے وقت ہاؤس کی گیلریاں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ اب یہ بل ہاؤس آف لارڈز (دارالامراء) سے گزر کر ملکہ عالیہ کے دستخط سے قانون کی آخری شکل اختیار کرے گا[1]۔ یہ ہے مغربی تہذیب کا نقطۂ عروج اور منتہائے کمال، مظلوم کی دادرسی[2] ظالم کی مذمت میں قومِ سفید سامراج کی سرد مہری (جسکا مظاہرہ

[1] آخری اطلاع یہ ہے کہ ملکۂ الزبتھ نے اسکی منظوری دے دی۔

اقوام متحدہ میں کیا گیا۔) اور بے غیرتی و بے حیائی میں یہ جوش وخروش اور اتفاق ـــــ بے حیائی کا اونچی اور اجتماعی سطح پر سر بازار ایسا مظاہرہ ـــــ بے شرمی اور دیوثی پر دیوثوں کی اتنی خوشی ـــــ یقیناً آج قوم لوط بھی شرم میں ڈوب چکی ہوگی اور ابلیس نے تو سر پیٹ لیا ہوگا کہ ان "لارڈوں" اور "پرنسوں" کے ہوتے ہوئے "شیطنت کا کلنگ" صرف میرے ماتھے کے لئے کیوں مخصوص ہے ؟

اس قرارداد کی منظوری پر ہم تہذیب مغرب پر بچھنے والے تمام "روشن خیال اور ترقی پسندوں" کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ گناہ کس قوم میں نہیں پائے جاتے ؟ مگر کسی اور قوم نے بھی تالیوں کی گونج اور پارلیمانی سطح پر اپنی ذلت اور خباثت، بے حیائی اور رذالت کا ایسا ثبوت بہم پہنچایا ہے ؟ اگر بے حیائی کے یہ طور طریقے (استلذاذ بالجنس) کتوں اور خنزیروں کے ہاں بھی رائج نہیں، تو اب ہم ان علمبرداران "تہذیب" کے لئے وہ کونسا نام تجویز کریں جو ان کی اس شاندار "قومی خصوصیت" پر دلالت کر سکے ؟ اس خبر کے بعد بھی کیا کسی کو ان اقوام کے بارہ میں ارشادات خداوندی : وضربت علیھم الذلۃ ـ اور اولٰئک کالانعام بل ھم اضل ـ اور ثم رددنٰہ اسفل سافلین ـ کی صداقت میں کوئی تردد ہو سکتا ہے۔ اگر یہ لوگ ضالین اور مغضوب علیھم نہیں ہیں تو آپ اس کا وجود کہاں ڈھونڈیں گے ؟ مغربی تہذیب کی یہ قرارداد جاہلیت کی معراج ہے۔ اور انسان کو ذلیل چوپایوں سے بھی بدتر مخلوق بنانے میں ابلیس کی سب سے بڑی فتح ـــــ پھر افسوس اور ماتم تو ان اقوام کی عقل وخرد پر ہے جو یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی حیوانیت اور شیطنت کے ان علمبرداروں کی تقلید واتباع کو "قومی عظمت" کا نشان سمجھے ہوئے ہیں ـــ اے رب کائنات اس ننگ انسانیت مخلوق کے ہاتھوں اشرف المخلوقات انسان کی مٹی کب تک پلید ہوتی رہے گی۔ تو دیکھ رہا ہے کہ سارا عالم اس گندی تہذیب کی غلاظتوں سے بھر گیا ہے۔ اور ساری دنیا اس کے شر وفساد سے نالاں ہے۔ یہ تہذیب مغرب کیا ہے ؟ اس دھرتی پر خدائے قہار کی سب سے بڑی پھٹکار، انسانیت کے لئے گالی اور تہذیب وشرافت کے منہ پر ایک طمانچہ ـــــ ہزار صد ہزار لعنت ہو اس تہذیب پر خدا اور تمام برگزیدہ مخلوق کی ـــــ دین فطرت اسلام کے مسئلہ تعدد ازدواج پر پھبتیاں کسنے والے "جریدہ ٹائم" اور اس کی ساری قوم کو ہم خاص طور سے مبارکباد پیش کرنا چاہتے ہیں کہ اس قرارداد کی منظوری کے بعد تو اب آپ کو ایک شادی کی ضرورت بھی نہ رہی۔ اس قرارداد کی منظوری سے آپ کے روحانی باپ فرائڈ کی روح کتنی سرشار ہوگی ؟
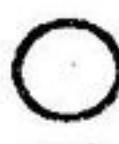
صدر ناصر نے حالیہ ریڈیائی تقریر کے بعد انقلاب مصر کی سالگرہ کے موقع پر پہلی بار جو تقریر کی اس میں انہوں نے شکست کے اسباب اور درپردہ محرکات اور آئندہ لائحہ عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ ایمان افروز جملے بھی ارشاد فرمائے کہ :

ہمیں اس حقیقت پر یقین رکھنا چاہیئے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اور اگر ہم موثر جد وجہد کریں گے تو خدا ہمیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے گا۔ آگے چل کر انہوں نے کہا کہ اب سوال یہ ہے۔ کہ موجودہ بحران میں ہم اپنے مقاصد پورے کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ میرے پاس اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک سبق دینا چاہتا تھا، جو پہلے ہم نے سیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی، وہ سبق یہ تھا کہ ہم اپنی خامیوں کو دور کر دیں۔ گناہوں سے توبہ کریں۔ اور اپنے وطن کی تعمیر میں لگے رہیں۔ اب ہم نے یہ سبق حاصل کر لیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اگر ہم فتح حاصل کرنے کی جدوجہد کریں گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہمیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے گا ـــــــ جن لوگوں کی نظر برائیوں ہی پر جمتی ہے، خدا کرے صدر ناصر کی زندگی کا یہ رُخ بھی ان کی نگاہوں میں آسکے۔ بارگاہ صمدیت میں اخلاص اور ایمان اور ندامت و پریشانی کے چند بول بھی عربوں کی قسمت کا پانسا پلٹ سکتے ہیں۔ کہ اسکی رحمت کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں ـــــ صدر ناصر کے بارہ میں عموماً دو قسم کی رائیں قائم ہیں اور دونوں غلو، افراط یا تفریط سے خالی نہیں ہیں، جذباتیت، تعصب یا غالی عقیدت کی وجہ سے ہر دور کی انقلابی شخصیتوں کو ان دو چیزوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بغض و عناد رکھنے والوں کی تفریط و تنقیص اور عقید تمندوں کا افراط و اطراء، اور حقیقت اس بے اعتدالی میں مستور ہو کر رہی۔ مسلمانوں کے حق میں دونوں رویّوں کی ہلاکت آفرینی کیطرف حضرت علیؓ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا:

ھلک فیّ فتنتان محبٌ مُفرطٌ و بغض مُفرّط ـــــ صدر ناصر کے بارہ میں ایک فریق کی بر فروختگی کا تو یہ حال ہے کہ وہ تمام حقائق اور واقعات کو نظر انداز کر کے انہیں یہود اور سامراج کا ایجنٹ تک کہنے سے نہ جھجکے اور اسطرح روز روشن کو رات کہہ کر اس نے حق و صداقت کا منہ چڑھایا۔ اور یہ نہ سوچا کہ دن کو رات، اشکول اور موشے دایان کو عربوں، بلکہ یہودیوں اور جانسن کو مسلمانوں کا ایجنٹ اور خیر خواہ قرار دینے سے حقائق نہیں بدلیں گے دوسرے فریق کے حسن ظن اور محبت کا یہ عالم ہے۔ کہ وہ ناصر کی محبت میں پورے عربوں کی کسی خامی پر تنقید سے بھی ناراض ہوتا ہے۔ وہ عربوں کی شکست کو "ناکامی" کہنے تک کا روادار نہیں۔ حالانکہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مسلمان قوم کے عروج و زوال اور فتح و شکست پر بحث کرتے ہوئے اس قوم کی عادات و اطوار

کا تحلیل و تجزیہ ناگزیر ہے۔ خود قرآن کریم میں "تذکیر بایام اللہ" کا ایک مستقل حصہ اسی تذکیر و عبرت کی خاطر لایا گیا ہے ـــــ جذبات اور تعصب سے ہٹ کر ہر شخص اس حقیقت تک پہنچ سکتا ہے کہ ناصر معصوم نہیں۔ آزادی، حریت اور مغربی استعمار و استبداد سے گلو خلاصی کی راہ میں ان سے کچھ بے اعتدالیاں بھی ہوئیں۔ وہ اپنوں سے بھی الجھ پڑے۔ غیروں کو بھی ناراض کیا۔ مگر جہاں تک ان کی سامراج دشمنی اور مغربی استعمار سے استخلاص کی مساعی کا تعلق ہے۔ وہ بلاشبہ اس صدی میں صدر ناصر کا نمایاں وصف ہے، جسے چھپایا نہیں جا سکے گا۔ غلط فہمی، الزام تراشی اور سطحیت کی وجہ سے وہ تو یہودیوں کے ایجنٹ نہیں بن سکیں گے۔ البتہ ایسی غیر ذمہ دارانہ رائے قائم کرنے والے دانستہ یا نادانستہ مغربی اور یہودی سامراج کے پشت پناہ ثابت ہوں گے۔ ہم صدر ناصر کا دینی اور فکری کوتاہیوں سے براءت نہیں کرتے مگر اس حقیقت سے انکار ہمارے لئے ممکن نہیں کہ وہ بلاشبہ مغرب دشمنی امریکہ اور انگریز کی عداوت میں وقت کے سب سے بڑے بطل جلیل ہیں ـــ راستہ انہوں نے غلط یا صحیح جو بھی اختیار کیا ہو عربوں کے گلے سے سامراجی جوا اتار پھینکنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھائی ـــ

فتح و شکست تو نصیبوں سے ہے اے میر ولے
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ـــــــــــــــــــ ۹

سمیع الحق
۱۴ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

اس تیرہ سو برس کے اندر کتنی قومیں آئیں اور اپنی اپنی باری میں حفاظتِ اسلام کی خدمت انجام دیکر چلی گئیں۔ جب تک انہوں نے اسلام کا ساتھ دیا اور اپنے اعمال و اعتقادات میں اس سے منہ نہیں موڑا اس وقت تک وہ بھی ان کے ساتھ رہا۔ لیکن جب انہوں نے اپنی صلاحیت اور قابلیت کھو دی، اور اس مقصد کو بھول گئے جسکی انجام دہی کیلئے زمین کی وراثت ان کو دی گئی تھی تو ان کا دور کارفرمائی ختم ہو گیا۔ اور اللہ نے اپنے دین کی حفاظت کی امانت کسی دوسری جماعت کے سپرد کر دی۔ وہ اپنے کلمۂ مقدس کی حفاظت کے لئے ہمارا محتاج نہیں ہے بلکہ ہم اسکی زندگی کے لئے اس کے محتاج ہیں۔ (مولانا ابوالکلام آزاد)

دعوات عبدیت و حق

ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

از ارشادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

(یہ تقریر روشن خان محمد خان ٹوبیکو کمپنی نواں کلی (صوابی) کے اجتماع سیرت میں کی گئی۔ "ادارہ")

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا رحمۃ مہداۃ ۔ حضورؐ نے فرمایا میں خدا کیطرف سے بھیجا گیا رحمت ہوں۔

محترم بزرگو ! اس مجلس کا انعقاد سردار دو جہاں حضور اقدسؐ کی سیرت کے متعلق ہے۔ سیرت کا دامن اس قدر وسیع ہے کہ اگر عمر بھر اس کے کسی ایک پہلو کو بیان کیا جائے تو ناممکن ہے، کجا کہ مجھ جیسے ناقص العلم اسے پورا بیان کر سکیں۔ حضورؐ کی شان تو یہ ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے حضورؐ کے اخلاق کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے مختصراً جواب دیا : وَکَانَ خُلُقُہُ القرآن ۔ کہ حضورؐ کے اخلاق قرآن کریم ہی تو تھے۔ الحمد سے والناس تک قرآن کریم کو پڑھئے سیکھئے سمجھئے ، یہ سب حضور اقدسؐ کے اخلاق و عادات کی تفصیل ہے۔ تو حضورؐ کی سیرت کے لئے قرآن کا مطالعہ کیجئے۔ تمام بھلائی اور خوبی جو اس میں ہے وہ حضورؐ کی سیرت میں عملی طور پر پائی جاتی ہے۔ پھر قرآن کریم ایسی کتاب ہے۔ جس کے عجائب اور اسرار کبھی ختم نہیں ہوتے۔ اس طرح حضورؐ کی سیرت مبارکہ کی تفصیلات اور عجائبات بھی ختم نہیں ہو سکیں گے۔

بھائیو ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں جسم عطا فرمایا۔ اس کے لئے دو قسم کی روشنیوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو آنکھوں کی روشنی جسے ہم بصارت کہتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ راستہ پہ چلتے ہیں۔ کانٹے اور دیگر اذیت والی چیزیں دیکھتے ہیں۔ اسطرح نفع کی چیزیں معلوم کرتے ہیں۔ ظاہری حسن و قبح کا فرق اس کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جسم کی زندگی کی بصارت بینائی پہ موقوف ہے۔ اندھا بیچارا کسی کام کا نہیں ہوتا۔ مگر قوت بصارت ایک خارجی اور بیرونی روشنی کی محتاج ہے۔ اگر رات کو روشنی نہ ہو دن کو آفتاب

نہ ہو تو اس بینائی سے کچھ کام نہیں ہو سکتا۔ ٹکریں مارتے پھریں یہ آنکھیں اس خارجی روشنی کے بغیر منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکیں گی۔ بلکہ تباہی کی طرف لے جائیں گی۔ غرض جسم کی بیرونی ترقی اور بقاء کے لئے روشنی کی ضرورت تھی، تو خدا نے جو رب ہے، اور آہستہ آہستہ تدریجاً تدریجاً ہر شے کو اپنے کمال تک پہنچاتا ہے۔ اس کے لئے چاند ستارے آفتاب وغیرہ پیدا کئے۔ موم بتی کی روشنی اس سے زیادہ چراغ کی اس سے زیادہ بجلی اور چاند اور سب سے زیادہ آفتاب کی۔ اسطرح انسان کی روحانی ترقی اور معنوی بقاء و حفاظت کے لئے اندرونی روشنی انسان کو دی جسے عقل۔ فکر اور فہم کہا جاتا ہے۔ مگر جسطرح جسمانی روشنی خدا نے متفاوت پیدا کی ہے۔ اسطرح خدا نے ہر انسان کو عقل اور فہم متفاوت دی۔ کسی کو زیادہ کسی کو کم۔ اور جسطرح آنکھیں خارجی روشنی کے بغیر بیکار ہیں۔ اس طرح اس بصیرتِ باطنی اور عقل و فہم کے لئے ایک بیرونی روشنی کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص افلاطون، ارسطو، فیثاغورث، اور جالینوس بن جائے۔ ان سے بھی بڑا عقلمند بن جائے۔ مگر جب تک خدا کی پیدا کردہ اس خارجی روشنی سے فائدہ نہ لے، تو اس کا عقل و فکر اندھیروں میں بھٹکتا رہے گا۔ اور منزل تک کبھی نہ پہنچ سکے گا۔ بلکہ کسی تباہی کے گڑھے میں گر کر ہلاکت کا باعث بن جائے گا۔ یہ بیرونی روشنی نبوت اور وحی الٰہی کی روشنی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اس روشنی کے حامل ہیں۔ خدا نے اس روشنی کے لئے انبیاء کو بھیجا۔ پھر جسطرح ظاہری روشنیاں متفاوت تھیں کوئی موم بتی، اور چراغ کی مانند ہے۔ کوئی تاروں کے برابر کوئی چاند کی شکل میں۔ ہمارے حضورؐ خاتم النبیین ہیں۔ تو ان کی مثال آفتاب کی طرح ہے۔ شاگردوں اور امتوں کی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے اساتذہ اور انبیاء بھیجے گئے۔ حضورؐ کو آفتاب بنا کر بھیجا کہ حضورِ اقدسؐ کا دور علم کے انتہائی عروج اور ترقی کا زمانہ تھا ... ہر پیغمبر نور ہے۔ مگر تمام انبیاء کا سردار وہ نور ہے، جو روشنی میں بھی سب سے بڑھ کر ہے اور جب آفتاب موجود ہو تو چھوٹی روشنیوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نہ کوئی دن کی روشنی میں بجلی یا چراغ جلاتا ہے۔ اب اگر پیغمبر کی ہدایات کی روشنی میں ہماری زندگی گذرے گی۔ تب ہمارا یہ عقل، یہ سیاست، یہ علم، یہ سائنس اور یہ نظام کام دے گا۔ اور ہماری کامیابی کا باعث ہو گا۔ یہ روشنی جو یہاں جل رہی ہے۔ اس کا نام بلب ہے۔ اور یہ روشنی ایک پاور ہاؤس سے آتی ہے۔ جو مالاکنڈ اور ورسک میں موجود ہے۔ اگر اس بلب کا رابطہ اپنے پاور ہاؤس سے کٹ جائے یا فیوز ہو جائے تو روشن نہ ہو گا۔ بلکہ سیاہ اور تاریک ہو جائے گا۔ پھر اس بلب تک دو تار لگے ہیں، ایک سرد اور ایک گرم اور دونوں کے ذریعہ رابطہ قائم ہے پاور ہاؤس سے، اگر ان تاروں میں سے ایک بھی کاٹ دیں تو یہ بلب روشن نہ

نہ ہو سکے گا۔ رابطہ قائم ہو اور فیوز نہ ہو تو یہ کام دے سکے گا۔ یہ میدان بھی روشن ہو گا۔۔۔ یہی حال ہمارے دل کا ہے اور اسے بھی خدا نے بلب کی شکل کا بنایا ہے۔ اس میں ایمان اور یقین کی روشنی تب آئے گی کہ رابطہ ہو اس کا پاور ہاؤس سے۔ یہ پاور ہاؤس مدینہ طیبہ ہے۔ اور حضورِ اقدسؐ کا گنبدِ خضراء ہے جس نے اپنے دل کو اس مرکزِ ہدایت اور نور کے سرچشمہ سے منور کیا اس کا نام بن گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق۔ اس کا نام بن گیا حضرت عمر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح۔ حضرت خالد بن ولید یہ روشنی حضورؐ کی شکل میں اب بھی زندہ اور موجود ہے۔ خدا کے دینے میں کوئی فرق نہیں آیا۔۔۔ لینے والا نہیں۔ قلوب اندر سے فیوز ہیں۔ تاریک ہیں۔ کیونکہ رابطہ ٹھیک نہیں اور جب دل تاریک تو سارا جسم اور سارا ماحول تاریک ہے۔ کیونکہ سارا مدار دل ہی پر تو ہے۔ الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔ جسم میں ایک ٹکڑا ہے جو صحیح ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ فاسد ہو تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ پھر جس طرح بلب کی روشنی دو تاروں پر موقوف ہے۔ اور ہر ایک کی خاصیت الگ الگ ہے۔ اگر یہ تار ٹھیک نہ ہو تو تمہاری سائنس نہ چلے گی۔ اس طرح حضورؐ کے ساتھ رابطہ کے بھی دو تار ہیں۔ ایک حضورؐ کی محبت دوسری حضورؐ کی اطاعت۔ ان میں سے ایک یعنی محبت گرم تار ہے۔ اور اطاعت سرد۔ محبت اتنی ہو کہ اپنی عزت مال آبرو اور جان سے بھی زیادہ۔۔۔ حضورؐ نے فرمایا: لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین ۔۔۔۔۔۔ تم میں سے کوئی شخص مسلمان نہیں بن سکتا۔ جب تک مجھے اپنے باپ، بچوں اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔

دوسرا تار اطاعت اور فرمانبرداری کا ہے۔ اس میں ادب ہوتا ہے۔ جذبات کو چھوڑ کر خواہشات کو چھوڑ کر حضورؐ کی اطاعت اور تابعداری کرنی پڑے گی۔ یہ رابطہ تب صحیح ہو گا کہ خدا نے حضورؐ کو جن احکام کیساتھ بھیجا ہے۔ ان کے مطابق زندگی صرف ہو۔ ان احکام میں تجارت کے احکام بھی ہیں۔ ملازمت و معاشرت کے بھی گھر بار مزدور و آقا کے احکام بھی موجود ہیں۔ غربت اور فقیری اور سلطنت اور حکومت کے طریقے بھی ہیں۔ غزوۂ خندق میں حضورؐ پھاوڑا لیکر اپنے ہاتھوں سے خندق کھود رہے ہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ پیٹ مبارک سے کپڑا سرک گیا تو دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ آقا ساتھیوں کو خدا کی راہ میں مشغول دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ اور زبان مبارک پر یہ رجزیہ کلمات ہیں: اللھم لاعیش الاعیش الآخرۃ

فاغفر الانصار والمہاجرۃ ۔ دنیا کی خوشی کوئی خوشی نہیں ۔ قارون اور فرعون جتنی دولت ہو تو کیا فائدہ ؟
سب کچھ رہ جاتا ہے ۔ اس موجودہ دنیا میں سینکڑوں مثالیں دیکھئے ۔ آج تخت پر ہے تو کل تختہ پر ۔
حضورؐ نے اپنے ساتھیوں کو خوشخبری دی آخرت کی ۔ جو تنخواہ کے مزدور نہ تھے ۔ اللہ کے مزدور
تھے ۔ مگر جس نے خداوند کریم کی خوشنودی کے لئے کام کیا ۔ دنیا کے تاج و تخت بھی اس کے قدم
چومتے ہیں ۔ چنانچہ اس موقع پر خوشخبری سنائی ۔ پھاوڑا جب مارا تو روشنی نکلی اور اس میں قیصر و کسریٰ
اور صنعاء یمن کے بنگلے نظر آئے ۔ حضورؐ نے صحابہؓ کو بشارت سنائی کہ یہ سب کچھ تمہارے قدموں
میں ہوگا ۔ مگر فرمایا کہ اے اللہ عیش صرف آخرت کی عیش ہے ۔ یہ سب دنیا تو فانی ہوگی ۔ آخرت کی
عیش کو اہم مقصود بنا دینا اس دنیا میں ہمارے جسم سمیت جو کچھ بھی ہے ۔ نہ ابتداء میں تھا ۔ اور نہ باقی
رہنے والی چیزیں ہیں ۔ حضرت علیؓ مسلمانوں کے خلیفۂ رابع اور حضورؐ کے داماد فرماتے ہیں ۔ کہ جو شخص
پیشاب کے دو قطروں سے پیشاب کے دو راستوں کے ذریعہ پیدا ہوا ، زندگی بھر ہر حال میں اس
کے پیٹ اور بدن کے اندر نجاست اور غلاظت موجود ہو ۔ ہر وقت نجاست کو لئے پھرتا ہے ۔
اور مرنے کے بعد گل سڑ کر کیڑوں کی خوراک بن جاتا ہے ۔ بدبودار ہو جاتا ہے ۔ ایسا شخص اپنے آپ
پر کیوں غرور کرے ۔ ہم کیا ہیں ۔ ! ــــــ یہ خدا کی دی ہوئی نعمتیں ہیں ۔ ہر نعمت پر شکر ادا کرنا ہے ۔ نعمت
محسن سے ملتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ محسن ہیں تو اس کے احسانات کو تو مانو دل سے ۔ پھر زبان سے کھانا کھاؤ
تو بسم اللہ کہو ۔ فارغ ہو جاؤ تو الحمد للہ کہو ۔ اور اس کھانے سے جو تقویت ملے ، اُسے خدا کی بندگی
کا ذریعہ بنا دو ۔ یہ ہے شکر ۔ اب تو زبان سے بھی اللہ کا نام نہیں لیا جاتا ۔ غرض حضورؐ نے شکر اور
بندگی کے تمام طور طریقے بتلائے ۔ حضورؐ اسلام اور مسلمانوں کے لئے پاور ہاؤس ہیں ۔ اور آج بھی
گنبد خضراء میں تمام کمالات اور صفات کے ساتھ موجود ہیں ۔ وہاں سے روشنی ہمارے دلوں میں
اور ہمارے اعمال میں تب پیدا ہوگی ۔ کہ اپنا رابطہ ٹھیک کرلیں ۔ آج جو تمام دنیا میں اندھیرا ہے ۔ اور
مسلمان بھی اس میں بھٹک کر ذلت و خواری کے گڑھے میں گر رہے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے
دونوں تاروں کو کاٹ دیا ہے ۔ اطاعت کا تار بھی اور محبت کا بھی ۔ اگر محبت اور اطاعت
کا دعویٰ ہے تو صرف نام رہ گیا ہے ۔ محبت جس میں اطاعت نہ ہو کسی کام کی نہیں ۔ دراصل عداوت
ہے ۔ اور صرف قانونی اور رسمی اطاعت ، کہ محبت نہ ہو وہ بھی باعث نجات نہیں ۔ بیوی بچوں سے
ہماری محبت ہے تو سفر و حضر میں رات دن ایک کرکے ان کے آرام اور راحت کے لئے کمانے
کی فکر میں رہتے ہیں ۔ خواہ حلال ہو یا حرام کسی تکلیف اور مصیبت کی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ ان کے

ساتھ قلبی رابطہ ہے محبت ہے۔ ان سے کسی بدلے کی توقع نہیں، نہ کسی خیر اور نفع کا لالچ ہے۔ کہ فطری محبت ہے، ان کے ساتھ اگر حضورؐ کے ساتھ حقیقی اور صحیح محبت آجاتے تو تابعداری اور اطاعت کے لیئے نہ تبلیغ کی ضرورت ہو گی نہ تعلیم و تلقین کی، خود بخود اطاعت آئے گی۔ ہر بات ہر عمل اور عادت میں محبوب کا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ جارج پنجم نے ڈاڑھی رکھی۔ پوچھا گیا کہ کیوں؟ کہا کہ مجھے دنیا میں جس انسان کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی۔ وہ میرا باپ تھا۔ چونکہ اس نے ڈاڑھی رکھی تھی تو میں نے بھی رکھی —— پھر محبت میں مصلحت اور حکمت تلاش نہیں کی جاتی۔ کہ کیوں ایسا کروں۔؟ کیا فائدہ ہے۔؟ اور کیا فلسفہ ہے اس میں۔؟ جب محبت ہو گی تو اطاعت لازمی ہے۔ وہ محبت نہیں جھوٹا دعویٰ ہے۔ آج محبت نہیں رہی تو اطاعت بھی چلی گئی، نتیجہ کیا نکلا۔؟ آج ہم سرنگوں ہیں۔ مسلمانوں کے دل زخمی ہیں کہ کروڑوں مسلمان ۲۲ لاکھ یہودیوں سے شکست کھا گئے۔ یہ ابو عبیدہ، عمرو بن العاص اور سعد بن ابی وقاص جنہوں نے مصر و عراق اور ایران و شام فتح کیا۔ وجہ کیا تھی۔؟ حضرت عمرؓ فاتح بیت المقدس کی کیا حالت تھی۔؟ دولت و حکومت سب پاس ہے۔ مگر کرتے کیا ہیں۔ آٹھ آٹھ پیوند کپڑوں میں لگے ہوئے تھے۔ پوچھا گیا کیا خزانہ میں گنجائش نہیں۔؟ فرمایا نہیں۔ میں نے اپنے آقا کو دیکھا کہ بحرین سے ایک لاکھ کی دولت آئی۔ مگر اپنے افطار کے لئے بھی کچھ نہ چھوڑا! کیا یہ حضرات بلڈنگیں نہیں بنا سکتے تھے۔؟ جس رات حضورؐ دنیا سے تشریف لے گئے۔ تو چراغ کا تیل ادھار لیا گیا تھا۔ حضور علیہ السلام کے گھر کی یہ حالت تھی کہ نابالغ آدمی ہوتا تو چھت سے سر لگتا۔ ظاہری یہ حالت تھی اس کمرے کی کہ جہاں حضورِ اقدسؐ کا جسدِ اطہر اب بھی موجود ہے۔ اور جو عرش سے بھی افضل ہے۔ عرش اس پہ کرتا ہے۔ حضورؐ نے اسوہ پیش کیا کہ قومی دولت کو ذاتی منافع میں نہ لگاؤ۔ حضرت عمرؓ بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہو رہے ہیں۔ غلام اور ان کا ایک ہی اونٹ ہے سواری کے لئے۔ باری باری اس پر سفر کرتے ہیں۔ بیت المقدس پہنچتے وقت غلام کی باری تھی اس کو بٹھایا اور خود مہار پکڑے ہوئے ہیں۔ یہود اور نصاریٰ غلام کو امیر المومنین سمجھے۔ اور آج ہماری حالت کیا ہے۔؟ در حقیقت آنچہ برماست از ماست —— ہمارے ہاں لڑائی کے وقت ہمارے لیڈر نے اتنا تو کہا کہ کفار نے لا الہ الا اللہ کہنے والی قوم کو دعوت مبارزت دی ہے —— اگرچہ بموں اور جہازوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مگر اسرائیل کے مقابلہ میں یقیناً غالب ہو جاتے۔ مگر رابطہ اپنے مرکز اور پاور ہاؤس سے توڑ دیا۔ یہاں کے لوگ تھوڑے عرصہ کے لئے بدل گئے۔ خدا کی طرف راغب ہوئے تو خدا نے ذلت اور رسوائی سے بچا یا۔ مگر یہاں کی حالت بھی

بعد از جنگ تیزی سے بدل گئی۔ عوام اور خواص سب اپنی پرانی روش پر آگئے اور نہ ارباب اقتدار خدا کی اس نعمت کے شکر گزار ہوئے۔ بلکہ خدا کے غضب کو دعوت دینے والی باتوں پر اڑے رہے۔ اللہ تعالیٰ دوبارہ آزمائش اور امتحان نہ لائے۔ ورنہ خدا کی گرفت کا خطرہ ہے۔ مسلمانوں کی قوت و طاقت تو حضورؐ کی اتباع اور وابستگی میں ہے۔ ان کی سنتوں پر چلنے میں ہے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز مجدد اوّل خلیفہ بنے تو حکام اور عمال کے نام خط بھیجا کہ اگر میری خلافت میں حضورؐ کی ایک سنت زندہ ہو جائے اور اس کے لئے عمر کے بدن کا ریزہ ریزہ ہو جائے اور ساری حکومت چلی جائے۔ پھر بھی اسے کامیابی سمجھوں گا۔ اور اگر ساری دنیا کی بادشاہی میرے قبضہ میں ہو مگر حضورؐ کی کوئی سنت مٹ جائے تو عمر کامیاب نہیں۔ خداوند تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ تمہاری غمی اور شادی اور گھریلو معاملات، اجتماعی تعلق کس شکل پر ہے۔ وہ پوچھیں گے میں نے تمہارے پاس ایک نمونہ بھیجا تھا اور تم نے اس نمونہ کو اپنا معیار بنایا یا نہیں۔؟ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ بے شک تمہارے لئے رسول کریم میں بہترین نمونہ ہے۔

تم درزی کو کپڑے دیتے ہو اور نمونہ بھی اس کے سامنے رکھ دیتے ہو کہ اسی طرح کپڑا چاہتے ہیں۔ خدا نے ہمیں نمونہ دیا کہ زندگی کو اس کے مطابق ڈھال کر میرے پاس لوٹنا۔ جن لوگوں نے اس صورت کو اپنایا وہ کروڑوں پر بھاری ہوئے۔ ۳۱۳ بدر میں ۷۰۰ اُحد میں اور ۳۰۰۰ خندق میں مگر ہزاروں کو شکست دیتے ہیں۔ اور آج ستر کروڑ ہیں۔ مگر اسوہ حسنہ بنایا ہے امریکہ اور روس کو تو اندر سے کھوکھلے ہیں اور سمندر کی جھاگ اور خس و خاشاک کی مانند ہیں۔ روس اور امریکہ اور دوسرے کفار جوابازوں کے ہاتھ میں تاش کے پتے بن کر رہ گئے ہیں۔ کبھی ایک کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کبھی دوسرے کو۔ ہمارے مخلص اور خیر خواہ تو صرف اور صرف حضور اقدسؐ ہیں۔ ان کے ساتھ اگر تعلق ہے تو کامیابی ہوگی۔ ورنہ ہرگز کامیاب نہ ہوسکیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

> خاموشی عبادت ہے بغیر محنت کے۔ ہیبت ہے بغیر سلطنت کے۔ قلعہ ہے بغیر دیوار کے۔ فتحیابی ہے بغیر ہتھیار کے۔ آرام ہے کراماً کاتبین کا۔ قلعہ ہے مومنین کا۔ شیوہ ہے عاجزوں کا۔ دبدبہ ہے حکمتوں کا۔ جواب ہے جاہلوں کا۔ (امام غزالیؒ)

مولانا شمس الحق افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

یہ مقالہ ویہی ترقیاتی اکیڈمی کے سیمنار کے لئے لکھا گیا

ترقی انسان کا فطری جذبہ ہے۔ کرۂ ارضی کا کوئی انسان نہ پہلے ایسا گذرا ہے۔ جو ترقی کو محبوب نہ سمجھتا ہو، اور نہ اب کوئی ایسا انسانی فرد مل سکتا ہے۔ جو ترقی کا خواہاں نہ ہو خصوصاً دورِ حاضر میں تو ترقی کا لفظ ہر شخص کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ اور ہر قوم کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ نظر آتی ہے۔ اس لئے ترقی کی ضرورت پر دلائل پیش کرنے کی چنداں حاجت نہیں۔ صرف دو چیزوں کا بیان کرنا ضروری ہے۔

۱۔ ترقی کا اصلی اور صحیح تصور۔ ۲۔ ترقی حاصل کرنے کے لئے وہ صحیح اور عملی تدابیر جن پر عمل پیرا ہو کر ترقی حاصل کی جا سکتی ہے۔

انسانی ترقی کا صحیح تصور یہ حقیقت سب پر واضح ہے۔ کہ انسان محض جسم مادی اور صرف روح انسانی کا نام نہیں۔ بلکہ انسان جسم و روح کے مجموعہ کا نام ہے۔ جب یہ دونوں چیزیں انسانیت کے اجزاء ٹھہریں۔ تو انسانی ترقی ان دونوں اجزاء کی ترقی کا نام ہوگا۔ ایک جزء کی ترقی کامل ترقی نہیں کہلا سکے گی۔ کیونکہ کل کی تکمیل و ترقی اجزاء کے بغیر ناممکن ہے۔ جیسے ایک کامل بدن وہی کہلائے گا، جس کے تمام اعضاء کامل، اعلیٰ اور متوازن ہوں۔ اگر صرف کان درست ہوں اور آنکھ ٹھیک نہ ہو یعنی اس میں بینائی نہ ہو، یا ہاتھ صحیح سالم ہوں، لیکن پاؤں ٹھیک نہ ہوں، بلکہ ان میں لنگڑا پن ہو تو ایسے شخص کے بدن کو کامل اور ترقی یافتہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسی طرح اگر کسی مشین کے سب پرزے درست اور اعلیٰ ہوں۔ لیکن دو ایک پرزے ناقص اور ردی ہوں۔ تو پوری مشین ناقص اور غیر ترقی یافتہ کہلائے گی۔ ایک

مرکب دوا مثلاً جوارش جالینوس کے سب اجزاء اعلیٰ ہوں لیکن صرف ایک جزء زعفران اس میں ردی ہو تو جوارش مذکورہ ناقص قرار پائے گا۔ اسی پر انسان کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

صرف مادی ترقی | یورپ، امریکہ بلکہ دورِ حاضر کی اکثر اقوام کی تمام جدوجہد اور سعی و عمل انسان کے صرف پہلے جزء یعنی جسم مادی کے ارتقاء پر مصروف کار ہے۔ اور اسی جزء کی ترقی میں ان کو بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے۔ لیکن انسان من حیث الکل اب تک ترقی سے محروم ہے۔ روحانی ارتقاء کو انہوں نے بالکل نظر انداز کر رکھا ہے۔ جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ کہ اس وقت جن اقوام عالم کی مادی ترقی بے مثال ہے۔ اسی طرح ان کا روحانی انحطاط بھی بے نظیر ہے۔ انسانی روح جس قدر آج گندگی اور تاریکی میں ملوث ہے، پوری تاریخ انسانیت میں ایسا وقت کبھی نہیں آیا۔ اس کے تباہ کن نتائج پوری انسانیت بھگت رہی ہے۔ اسی کی ترجمانی اقبال مرحوم نے یوں کی ہے:

یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد   زیر گردوں رسم لادینی نہاد

مشکلات حضرتِ انساں از واست   آدمیت را غم پنہاں از واست

مادی ترقی نے دورِ حاضر کے انسان کے لئے تباہ کن آلات پیدا کئے۔ اور ان کی تاریک اور ناپاک روحوں نے ان آلات کو انسان کی تباہی کے لئے محض قومی غرور کے نشہ کی تکمیل کے لئے استعمال کیا جس کا نتیجہ خود ان کے اقرار کے مطابق حسب ذیل نکلا ——— اقوام متحدہ کے کمیشن کی رپورٹ جو کہ ڈاکٹر از منسٹر مغربی جرمنی نے مرتب کیا۔ اور جس میں صرف گذشتہ جنگ عظیم کے نقصانات کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم میں ساڑھے چھ کروڑ افراد مقتول و مجروح ہوئے اور پندرہ کروڑ افراد کے گھر جل کر خاک ہو گئے۔ اور اس جنگ میں اس قدر دولت صرف ہوئی کہ اگر اس کو اس وقت کی دنیا کی پوری ڈھائی ارب آبادی پر برابر تقسیم کیا جاتا۔ تو فی کس ڈھائی سو ماہوار کے حساب سے پوری دنیا ایک سو سال تک خوشحال زندگی بسر کر سکتی تھی۔ (رپورٹ مندرجہ شہباز ۲۷ جولائی ۱۹۵۶ء) کوریا کی معمولی لڑائی میں ۲۵ جون ۱۹۵۰ء لغایت ۲۸ مئی ۱۹۵۲ء تک پچاس لاکھ مرد، عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے۔

اس وقت مادی سائنس نے جو سامانِ ہلاکت انسان کے لئے مہیا کیا ہے۔ بقول امریکی وزیر دفاع کہ اگر امریکہ اور روس میں جنگ چھڑ گئی تو جانبین میں سے چوبیس ۲۴ کروڑ افراد تباہ ہو جائیں گے۔ سائنس کی جو بین الاقوامی کانفرنس بمقام پگواش امریکہ میں ہوئی، اس میں برطانوی سائنس دان سر رابرٹ واٹسن واٹ نے انکشاف کیا۔ کہ بیولاجیکل وارفیئر (کیمیائی جراثیم) ایک بم جسکی مقدار آٹھ اونس ہے۔ اور جس کو

معمولی ریاست بلکہ معمولی سرمایہ دار بھی بنا سکتا ہے۔ تمام کرۂ ارضی کی تباہی کے لئے کافی ہے ۔
۔ (ڈان ۵ ستمبر ۱۹۵۹ء مقالہ افتتاحیہ)

یہی اس خالص مادی ترقی کے نتائج ہیں جن سے دنیا کانپ رہی ہے۔ اور جس نے پوری انسانیت کے لئے زندہ رہنے کو ناممکن بنا دیا۔ بقول اکبرؔ ۔

ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہوئے اکبرؔ اڑا جو ذرۂ عنصر وہ پھر سوئے زمین آیا

صرف مادیت پر زندگی کی بنیاد رکھنا شاخِ نازک پر آشیانہ بنانے کا مترادف ہے۔ بقول اقبالؒ ۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا وہ ناپائیدار ہوگا۔

صرف مادی ترقی کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ انفرادی اور اجتماعی رنگ میں ظلم عام ہوگیا ہے۔ جس کی وجہ سے پوری دنیا میں انتشار اور بے اطمینانی پائی جاتی ہے۔ اور تباہ کن لڑائیوں کا بے مقصد سلسلہ قائم ہے۔ ایک تباہ کن جنگ ختم ہوتی ہے۔ تو دوسری جنگ کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ زمین کسی وقت بھی انسانیت کی ہلاکت سے خالی نہیں رہتی۔ ناپاک روحیں مادی اسلحہ سے مسلح ہوکر انسانیت کی تباہی کے لئے ہر وقت برسر پیکار ہے۔ ناخداترسوں کے ہاتھ میں اسلحہ دینا ایک ڈاکو کو مسلح کرنا ہے۔ بقول حضرت رومیؒ کے ۔

بد گہر را علم و فن آموختن دادنِ تیغ است بدست رہزن

جنگی اور صرف مادی ترقی کے یہ مہلک نتائج نہ صرف انسان کش ہیں۔ بلکہ پوری زمین کو جہنم کدہ بنانے کا سامان ہے۔

کامل ترقی | اسلام نے ترقی کا صحیح اور جامع تصور پیش کیا۔ کہ انسانی ترقی درحقیقت نام ہے اس کا کہ انسان کا جسم مادی ترقی یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی روح کو بھی غذاء روحانی اور اسباب ارتقائے روحانی سے بلند کیا جائے۔ جسم مادی اور مادی دنیا کو چلانے والی چیز روحِ انسانی ہے۔ اگر وہ پاک اور بلند ہو۔ تو روحِ انسانی کی تمام عالمی حرکات اور اعمال میں بلندی اور پاکیزگی پیدا ہوگی۔ اور مادی ترقی صحیح محل پر صرف ہوگی۔ ورنہ روحِ انسانی کی اندرونی گندگی اور سیاہی کرۂ ارضی پر فساد پھیلائے گی۔ اور انسانیت کی مشین کو درہم برہم کردے گی جس طرح منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس موٹر میں سفر کیا جائے۔ وہ بھی تمام اجزاء کے اعتبار سے عمدہ، اعلیٰ، اور ترقی یافتہ ہو۔ اور اس موٹر کو چلانے والا ڈرائیور بھی قابل اور موٹر کو صحیح نہج اور راہ پر چلانے کی اہلیت

رکھتا ہو۔ لیکن اگر صورت اس کے برعکس ہو کہ موٹر تو اعلیٰ قسم کی ہو، مگر اس کا ڈرائیور اناڑی اور نااہل ہو ایسی صورت میں موٹر اس کے ہاتھ میں دے دینا انتہائی خطرناک ہے۔ وہ اس کو بہت جلد کسی درخت یا پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش کر دے گا۔ یا خندق میں گرا دے گا جس سے منزل مقصود پہ پہنچنا تو الگ رہا خود موٹر کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح انسانیت کو بحیثیت مجموعی ایک موٹر سمجھنا چاہئے۔ اور انسانی روح کو اس کا ڈرائیور۔ اگر روح انسانی غیر ترقی یافتہ اور اناڑی ہو۔ اور اخلاقی اقدار کو بالائے طاق رکھ کر خالق کائنات کے دینی اور روحانی ضوابط سے یکسر بے اعتنائی برتتی ہو۔ اور اپنی ذات کو خالق کائنات کے متعینہ نظم اور ضبط میں رکھنے کی ضرورت کی قائل نہ ہو۔ اور شرف انسانیت اور جذبہ محبت آدمیت کی شناسا بھی نہ ہو۔ تو ایسی روح انسانیت کی مشین کو صحیح خطوط اور نہج پر نہیں چلا سکے گی۔ بلکہ انسانیت کی مشین کو مادیت سے ٹکرا کر تباہ کر دے گی۔ یہی حال یورپی اور امریکی روحوں کا ہے۔ جنہوں نے انسانیت کی مشین کو جنگ ۱۴-۱۹۱۸ء اور جنگ ۳۹-۱۹۴۵ء میں دوبارہ اس زور سے ٹکرایا۔ کہ انسانیت کے پرخچے اڑ گئے۔ کروڑوں انسان لقمۂ اجل بن گئے۔ اور مکانات راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ اور دنیا کے مختلف گوشوں میں اب تک ان ناپاک روحوں کا یہ ٹکراؤ جاری ہے۔ اور آئندہ ایک عظیم اور آخری تباہ کن اور قیامت خیز ٹکراؤ کی تیاری میں مصروف ہیں۔

لارڈ برنارڈ شا نے درست کہا ہے۔ کہ یورپ والوں نے جس قدر مادی ترقی کی ہے۔ اُس نسبت سے روحانی ترقی نہیں کی۔ بلکہ روحانی انحطاط کا شکار ہو گئے۔ جسکی وجہ سے وہ دنیا کے لئے تباہی کا سبب بن گئے۔ روحانی ارتقاء کے بغیر مادی اور جسمانی ارتقاء کا ہمیشہ یہی انجام ہوا ہے۔ آج سے تقریباً چھ سو سال پہلے ایک اسلامی فیلسوف علامہ جلال الدین رومی نے کس قدر سچ فرمایا ہے۔

بد گہر را علم و فن آموختن　　دادن تیغ است بدست راہزن

جسکی روح ناپاک ہو، اس کو علم و فن کے ذریعہ طاقتور بنانا ڈاکو کے ہاتھ میں اسلحہ جنگ دے دینا ہے۔ ان نتائج ہی کی بنا پر اسلام نے یورپ کی طرح صرف مادی ترقی پر زور نہیں دیا۔ اور نہ قدیم مسیحیت، ہندومت اور بدھ مت کی طرح قطع دنیا اور جوگی پن اور رہبانیت کی تعلیم دی۔ بلکہ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً کے تحت دنیا اور آخرت، مادہ اور روح عقل اور دین میں ایک حسین امتزاج اور معقول ربط پر زور دیا۔ تاکہ دونوں میں صحیح توازن پیدا ہو۔ اور اور انسان من حیث الکل ترقی کی اصل راہ پہ گامزن رہے۔ انسان کے پاس ایک طرف مادی فوائد کے خزانے بھی جمع ہوں۔ اور دوسری طرف اسکی روح کو اپنے خالق سے ارتباط بھی ہو۔ تاکہ وہ ان مادی

اسباب کو صحیح مواقع پر صرف کرے۔ اور بے مقصد ٹکراؤ کی نوبت نہ آئے۔ اسلام اور قرآن نے مادی ترقی اور اس کے وسائل کی تحصیل پر بھی زور دیا۔ تاکہ مادی قوت کے ذریعہ وہ اپنے خالق کے منشا کو زمین میں جس میں اس کو خلیفہ بنایا گیا ہے۔ پورا کر سکے۔ اس کے ساتھ قرآن نے روحانی ارتقاء پر زور دے کر اس کے اصول و اسباب متعین کئے۔ تاکہ وہ مادی اسباب کا صحیح استعمال اور انسانی مشین کو درست طریقے پر چلانے کی اہلیت پیدا کر سکے۔

اسلام اور مادی ترقی | مادی ترقی کی بنیادی چیزیں دو ہیں۔ ایک مرکز ترقی اور دوم عامل ترقی۔ مرکز ترقی وہ دائرۂ کار ہے۔ جس میں فکر اور عمل کے ذریعہ انسان کی مادی ترقی کے اسباب مہیا ہو سکیں۔ اور عامل ترقی سے مراد وہ قوتیں ہیں جن کے ذریعہ انسان اپنے مرکز ترقی سے مادی فوائد کو حاصل کر سکے۔ قرآن پاک نے ان دونوں چیزوں کو نہ صرف متعین کیا۔ بلکہ ان کی طرف بلیغ انداز میں ترغیب دی۔ اور ہم کو ان کی طرف متوجہ کیا۔

مرکز ترقی | مرکز ترقی کے متعلق ہم تین آیات پر اکتفار کرتے ہیں۔

۱۔ هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ (بقرہ)

۲۔ وسخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض جمیعاً ان فی ذٰلک لاٰیات لقوم یتفکرون۔ (جاثیہ)

۳۔ هو الذی جعل لکم الارض ذلولاً فامشوا فی مناکبها وکلوا من رزقه والیه النشور (سورہ ملک)

پہلی آیت میں خالق کائنات نے جملہ مادی فوائد اور تمام اسباب ترقی کے اصل سرچشمہ کو بتلایا کہ خالق کائنات وہ ذات ہے کہ جس نے زمین کے اندر تمہارے فائدے کے لئے سب سامان مہیا کیا ہے۔ مافی الارض ایسا ہمہ گیر لفظ اور محیط کل تعبیر ہے۔ جو مادی ترقی کے تمام وسائل پر حاوی ہے۔ ۱۔ زرعی ترقیات جن میں انسان اور حیوانات کی خوراک، پھل اور میوے صحت انسانی کے قائم رکھنے اور امراض کے علاج سے متعلق تمام دواؤں کے ذخائر۔ ۲۔ معدنیات کے سلسلے میں سونا چاندی، پیتل لوہا۔ لعل یاقوت اور زمرد وغیرہ جواہرات، مصنوعی کھاد، نمک پٹرول، سوئی گیس، بجلی پیدا کرنے کا سامان۔ ایٹمی قوت کے مواد وغیرہ سب داخل ہیں۔ اسی طرح جنگلات کے فوائد و مفید حیوانات کے ذخائر اور ان سے متعلق فوائد سب کے شامل ہیں۔ اب مادی ترقی کا کونسا حکم ہے۔ جو زمینی فوائد کے اکتساب سے تعلق نہ رکھتا ہو۔

دوسری آیت میں مادی ترقی کے زمینی اسباب کے ساتھ سماوی اسباب کو جمع کیا۔ اور ان سے کسب فوائد کی طرف توجہ دلانے کے لئے اور ناامیدی اور سستی دور کرنے کے لئے سخر کا لفظ استعمال کیا گیا۔ کہ ان سب سماوی و زمینی کائنات کو خدا نے تمہاری خدمت اور افادیت کے کام میں لگا رکھا ہے۔ کائنات کی یہ تسخیر خالق کائنات کا وہ عظیم احسان ہے۔ جو اس نے صرف انسان کے ساتھ مختص کیا ہے۔

تیسری آیت میں اللہ نے اپنا یہ احسان ظاہر فرمایا ہے۔ کہ ہم نے تمام زمینی قوتوں کو تمہارے لئے ذلول یعنی مسخر اور منقاد بنا دیا ہے۔ تم جستجو کرو۔ اور اس میں سے تم اپنی روزی حاصل کرو۔ لیکن اس تصور کے ساتھ کہ تم سب کو اسی مالک حقیقی کے پاس حاضر ہونا ہے۔ ان تمام آیات سے یہ معلوم ہوا، کہ خالق کائنات نے آغاز آفرینش سے زمین کو ان تمام منافع اور فوائد کا خزانہ بنا دیا ہے۔ جو اب تک دریافت ہوئے ہیں۔ یا آئندہ دریافت ہوں گے۔ ان فوائد کا موجد اور خالق اللہ رب العالمین ہے۔ انسان نہیں۔ صرف ان فوائد کو دریافت کرنا اور ان کو معلوم کرنا انسان کا کام ہے۔ جیسے ایک پڑی ہوئی چیز ایک وقت میں معلوم نہ ہو۔ دوسرے وقت میں اس کا علم ہو جائے۔ موجود کرنے اور معلوم کرنے میں بڑا واضح فرق ہے۔ انسان کسی چیز کو معلوم تو کر سکتا ہے۔ لیکن موجود کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اگر غور کیا جائے۔ تو انسان بحیثیت مجموعی تخلیق جوہری سے قطعاً عاجز ہے۔ ساری دنیا کے انسان مل کر بھی ریت کا ایک ذرہ پیدا نہیں کر سکتے۔ انسان صرف خدا کے پیدا کردہ جواہر کی تحلیل و ترکیب کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ یعنی جوڑ توڑ جو عرضی اوصاف ہیں وہ کر سکتا ہے۔ لیکن اوصاف جوہری کی استطاعت نہیں رکھتا۔ جیسے ایک کمرے میں سینکڑوں چیزیں پہلے سے پڑی ہوں۔ اور ایک انسان ان کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر ایک خاص شکل میں لائے یا ایک کو دوسرے سے جدا کر کے اسکی سابق شکل بدل دے۔ پھر ان شکلوں کی ایجاد پر بھی اگر غور کیا جائے۔ تو وہ الہامی اور الٰہی ہیں۔ صرف انسانی فکر و عمل کا نتیجہ نہیں۔ مثلاً ابتداء میں ایک انسان کو یہ خیال آیا۔ کہ اللہ کے پیدا کردہ لوہے۔ لکڑی وغیرہ سے ایک ایسی مشین تیار کی جائے۔ جو بوجھل چیز کو ہوا میں اڑا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے۔ اب مدتوں وہ ایسی مشین کی شکل اور نقشے سوچتا رہا۔ لیکن انسانی عقل اور قوت خیالیہ صرف ان نقشوں کو سوچتی ہے، جو عالم محسوسات میں ان کے دیکھے بھالے ہوں۔ اور ہوائی جہاز کی مشین کا نقشہ اس نے پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے وہ اپنی قوت فکریہ کو اس نامعلوم نقشے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ فکر اور ذہن کو متوجہ کرنا انسان کا کام ہے ــــ لیکن

ہوائی جہاز کے صحیح نقشے کا ذہن میں ڈال دینا یہ خدا کا کام ہے۔ جیسے زمین میں تخم ڈال دینا یا رحم میں نطفہ ڈال دینا انسان کا کام ہے۔ لیکن نباتات اور اولاد کا نقشہ پیدا کرنا شکم زمین یا شکم مادر میں یہ اللہ کا کام ہے۔ اللہ کی عادت جاری ہے۔ کہ جو تخم ڈالنے اور زراعت کی کوشش کرے گا۔ وہ اللہ کے فیضان سے خرمن پائے گا۔ اور جو غافل اور بے توجہ رہیگا، وہ گندم کا ایک دانہ بھی حاصل نہ کر سکے گا۔ اسی طرح جب مغربی اقوام نے فوائد زمین کے استخراج اور مختلف مشینوں کی ایجاد کے لئے کوشش صرف کی، تو خالق فیاض نے ان کی کوشش رائیگاں نہ جانے دی۔ اور انہوں نے فیضانِ الٰہی کے تحت اپنی کوششوں کا ثمرہ پایا۔ مسلمان چونکہ غافل رہے۔ اور انہوں نے کوئی کوشش نہیں کی لہٰذا وہ محروم رہے۔ طبعی قوانین اور ان کے ثمرات و نتائج میں مسلم غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے: کلًّا نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا۔ ہم مسلم اور غیر مسلم دونوں کو اپنے فیض سے دنیوی کامیابی کی جدوجہد میں امداد دیتے ہیں۔ اور ہمارا یہ فیض کسی پر بند نہیں۔ اس لئے زمینی فوائد کو اس کے خزانہ سے نکالنے میں جدوجہد لازمی ہوئی۔ لیکن زمین کے مادی فوائد خود بخود حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کے لئے محرک اور عامل کی ضرورت ہے جس قدر بھی غور کیا جائے۔ اسی قدر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔ کہ قرآن نے جس طرح ہم کو مرکز ترقی کیطرف متوجہ کیا، اسی طرح قرآن نے عامل ترقی کے بارے میں بھی ہماری رہنمائی فرمائی۔

محرک اور عامل ترقی | زمین مادی ترقی کا خزانہ ہے۔ لیکن جب تک عامل اور محرک ترقی کو بروئے کار نہ لایا جائے۔ ہم زمینی فوائد اور مادی ترقی سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتے۔ ترقی کے عوامل صرف دو ہیں۔ فکر اور عمل۔ یعنی زمینی قوتوں سے استفادہ کرنے کے لئے ہمیں ان تدابیر پر غور کرنا ہوگا۔ جو اس استفادہ میں موثر ہوں۔ پھر ان تدابیر کو عمل میں لانا پڑے گا۔ الفکر قبل العمل۔ فکر عمل سے مقدم ہے پیش کردہ آیتوں میں سے دوسری آیت فکر پر متوجہ کرنے کے لئے ہے۔ قرآن نے ارشاد فرمایا: ان فی ذلک لآیٰت لقوم یتفکرون۔ دوسری جگہ قرآن نے فرمایا: ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض۔ ان آیات میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی جو فکر اور ذہن کو استعمال کرتے ہیں۔ اور عمل کے لئے تیسری آیت میں فامشوا فی مناکبھا۔ جاؤ پھرو زمین کے اطراف میں۔ عمل کی طرف اشارہ ہے۔

ان سب سے بڑھ کر قرآنِ حکیم نے دین و دنیا کی ترقی کا مدار عمل کو ٹھہرایا ہے۔ اور عمل کے بغیر انسان کو نہ دنیا کی کامیابی نصیب ہو سکتی ہے۔ اور نہ آخرت کی۔ قرآن کا ارشاد ہے: وان

لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ۔ انسان کو صرف وہی ملتا ہے جس کے لئے وہ عمل کرے اور قریب ہے کہ وہ اپنے عمل سعی وجدوجہد کے نتائج کو پائے گا۔ بقول اقبال مرحوم

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی — یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اب ہم مادی ترقی کے اصولی اسباب یعنی فکر وعمل کے بعد ان کی تفصیلی تدابیر بیان کرتے ہیں۔ جن پر شہروں اور دیہات دونوں میں عمل کرنا ضروری ہے۔ ان تدابیر میں سب سے بڑی تدابیر زراعت ہے۔ جس پر پچاسی فیصد باشندگان پاکستان کی معیشت کا مدار ہے۔ بلکہ درحقیقت پاکستان کی پوری آبادی کی زندگی زراعت سے وابستہ ہے۔ اس لئے زراعت کے قدرتی اور مصنوعی وسائل کو کام میں نہ لانا یا ان سے غفلت برتنا پوری قوم کے لئے تباہی کا سبب ہے۔

اسلام میں زراعت کا مقام | زراعتی ترقی کے لئے جدوجہد کرنا منشاء خداوندی کی تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسان کے لئے جو فوائد رکھے ہیں۔ ان فوائد کے استخراج جہاں خداوند قدوس کی حکمت تخلیق کو نمایاں کرنا ہے۔ وہاں دوسری جانب اس کی نعمتوں سے استفادہ بھی کرنا ہے۔ لیکن اس کے برعکس ترک عمل سے منشاء الٰہی کی خلاف ورزی اور انعامات الٰہیہ کی بیقدری کا اظہار ہوتا ہے۔ جس سے نعمتوں کے سلب ہوجانے کا امکان ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے: وجعلنا لکم فیہا معایش ومن لستم لہ برازقین۔ ہم نے تمہارے لئے زمین میں سامان رزق رکھا ہے۔ اور ان کے لئے بھی سامان رکھا ہے۔ جن کے لئے تم روزی مہیا نہیں کرتے یعنی حیوانات وغیرہ۔ قرآن حکیم ہی میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے: افرئیتم ما تحرثون ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون۔ کیا تم دیکھتے ہو کہ جس تخم کو تم بوتے ہو، تم اسکو اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔؟ پہلی آیت میں انسانی معیشت کی نشاندہی کی گئی کہ وہ زراعت ہے۔ اور دوسری آیت میں زراعت کی ترغیب دی گئی۔ کہ صرف بیج بودینا تمہارا کام ہے۔ اسے اگانا اور کمال پر پہنچانا میرا کام ہے۔

امام ابوبکر جصاص حنفی نے احکام القرآن میں ۱۶۰ میں تصریح کی ہے۔ کہ قرآن کی آیت: واستعمرکم فیہا یعنی خدا تم سے آبادی طلب کرتا ہے زمین کی۔ دلالت کرتی ہے کہ زراعت واجب ہے۔ بخاری کی حدیث ہے۔ کہ جو آدمی کاشت کرے یا درخت لگائے، تو جو پرندہ یا چرندہ یا انسان اس سے فائدہ اٹھائے۔ یہ تمام چیزیں اس کے فرد حسنات میں صدقات شمار ہونگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زراعت اور باغبانی کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ کنز العمال میں حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ اگر قیامت قائم ہونے کو ہو۔ اور تمہارے ہاتھ میں ایک پودا ہو جس کو تم قیامت قائم ہونے سے پیشتر زمین میں لگا سکتے ہو تو اس کو ضرور لگا دو۔ نفحات الانس میں عارف ربانی نے ایک مشہور بزرگ اور صوفی شیخ ابوالمکارم سمنانی رح کا یہ قول نقل کیا ہے کہ خدا نے زمین کو زراعت کی حکمت و منفعت کے لئے پیدا کیا ہے۔ جو شخص زمین کی زراعت اور آبادی کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس کو اگر اس گناہ کا علم ہو جائے۔ جو زمین کی معطلی کی وجہ سے اس سے سرزد ہوا۔ تو وہ ہرگز زمین کو بیکار نہ چھوڑتا۔ اگر کسی کی زمین سے بالفرض ہزار من غلہ پیدا کیا جا سکتا ہے لیکن اس کی بے توجہی اور غفلت کی وجہ سے نو سو من غلہ پیدا ہوا۔ تو قیامت میں اس سے ایک سو من غلہ کم پیدا ہونے کی باز پرس ہوگی (نفحات الانس للجامی مطبوعہ کلکتہ ص ۵۰۵)

اسلام نے زراعت کی ترقی کا جو شعور مسلمانوں کو دیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام جہاد، فتوحات اور حفاظت دین میں مصروف ہونے کے باوجود بھی زراعت کے فریضہ کی بجاآوری میں بھی جد و جہد فرماتے تھے۔ جلیل القدر صحابی فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رض کے متعلق امیر شکیب ارسلان اپنی کتاب خشیتہ الارتسامات کے صفحہ ۱۱۵ پر لکھتے ہیں کہ عمرو بن عاص رض صحابی نے وہط نامی ایک زمین جو طائف میں تھی۔ اس قدر انگور لگائے کہ ان کی بیلوں کو چڑھانے کے لئے انہیں دس لاکھ ڈنڈے نصب کرنے پڑے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسب روایات احادیث سلمان فارسی کے لئے کھجور کے پودے لگائے۔ ان تمام نصوص اور سلف صالحین کے عمل سے زراعت کی انتہائی اہمیت ثابت ہوئی۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کا عموماً اور باشندگان دیہات کا خصوصاً یہ فرض ہے کہ وہ بے فائدہ کاموں میں اپنے وقت کو ضائع نہ کریں۔ اور دنیا اور آخرت کی کامیابی اور سربلندی کے لئے زراعت کی ترقی و بہبود میں اپنی زیادہ قوتیں صرف کریں۔ تاکہ ان کو خوشحالی نصیب ہو۔ اور فارغ البالی کے ساتھ اپنے اسلامی فرائض بجا لا سکیں۔ اور اخلاقی انحطاط اور سماجی خرابیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ کیونکہ بیکاری اور تنگدستی ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ بلکہ بعض اوقات آدمی اپنے فقر کی وجہ سے نور ایمانی سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ قریب ہے کہ انسان تنگدستی کی وجہ سے ایمان سے محروم ہو جائے۔

تجارت | دوسری تدبیر جس پر مسلمانوں اور خصوصاً دیہات کے مسلمانوں کے لئے عمل پیرا ہونا اسلامی نقطۂ نگاہ سے ضروری ہے۔ وہ تجارت ہے۔ یعنی اپنی محنت اور کسی قدر سرمایہ کو وہ اس طرح استعمال کریں۔ کہ آمدنی میں اضافہ ہو تاکہ روز افزوں اخراجات اور عیال کی ضروریات کو

جائز طریقے سے پورا کر سکیں۔

انسانی تاریخ کے آغاز ہی سے تجارت کے پیشے کا وجود بھی ملتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے رزق کا دروازہ کھلتا ہے۔ بقول امام غزالیؒ انسان کو نوے فیصد روزی تجارت کی راہ سے ملتی ہے۔ اور باقی دس فیصد دیگر ذرائع سے حاصل ہوتی ہے۔ تجارت اگرچہ خالص دنیوی معاملہ ہے لیکن اسلام میں چونکہ دین اور دنیا کی تفریق نہیں اور روح وجسم کی طرح دین اور دنیا باہم مربوط ہیں۔ جسم کے بغیر روح ناکارہ اور روح کے بغیر جسم بے فائدہ ہے۔ اس لئے اسلام نے جو دین فطرت ہے تجارت کی طرف مسلمانوں کو خاص توجہ دلائی ہے۔ کہ دنیوی عروج اور ترقی میں تجارت کو بڑا دخل ہے۔ یورپ اور امریکہ کی موجودہ ترقی میں بڑی حد تک تجارت کو دخل ہے۔ تجارت ہی کی راہ سے انگریزوں نے برصغیر پاک وہند کی عظیم الشان حکومت حاصل کی۔ اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن نے مسلمانوں کو تجارت کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔ ظاہر ہے کہ اگر مسلمان کے پاس سرمایہ موجود ہو۔ اور وہ اس کو تجارت میں نہ لگائے تو خانگی اخراجات اور ادائیگی زکوٰۃ کی وجہ سے وہ سرمایہ جلد ہی ختم ہو جائیگا۔

حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کے سرپرست کو حکم دیا ہے۔ کہ وہ یتیم کے اس سرمایہ کو جسے اس کا باپ چھوڑ گیا ہے، تجارت میں لگا دیں۔ کہیں زکوٰۃ ادا کرتے کرتے وہ مال ختم ہی نہ ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ جو خالص عبادت ہے۔ شریعت مطہرہ کی نگاہ میں اس کے ذریعے مسلمانوں میں روح تجارت کو ابھارنا مقصود ہے۔ گویا قانون زکوٰۃ میں تجارت کی ترغیب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ کہ جب مسلمان کو یہ علم ہوگا۔ کہ اس کو اپنے سرمایہ میں سے سالانہ ڈھائی فیصد حکم خداوندی کی تعمیل میں مستحقین کو تقسیم کرنا ہوگا۔ تو اس کے اندر یہ احساس ضرور پیدا ہوگا۔ کہ سرمایہ تجارت میں نہ لگانے کی صورت میں تقریباً سارے کا سارا سرمایہ ختم ہو جائے گا۔ اس لئے وہ اپنے سرمایہ کو حرکت دیتا رہے گا۔ اور اسے تجارت میں لگائے رکھے گا۔

نماز بھی زکوٰۃ ہی کی طرح خالص عبادت ہے۔ اسلام میں ابتداءً رات کے کسی بھی حصے میں تہجد کی نماز ادا کرنا بھی فرض تھا۔ لیکن کاروبار معاش اور بالخصوص تجارت میں کوتاہی واقع ہو جانے کے خدشے کی بناء پر فریضۂ تہجد کو ساقط کر دیا گیا۔ تاکہ رات کی مسلسل عبادت معاشی اور تجارتی کاروبار میں رکاوٹ نہ بن جائے۔ سورۂ مزمل میں ارشاد خداوندی ہے کہ خدا نے جانا کہ کتنے ہوں گے۔ تم میں بیمار اور کتنے لوگ پھریں گے۔ اللہ کے فضل یعنی روزی کو ڈھونڈنے کے لئے اور کتنے لوگ جہاد کرتے ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں۔ لہٰذا رات میں پڑھا کرو۔ جو تم کو آسان ہو۔ علم ان سیکون منکم

مرضیٰ وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللّٰہ وآخرون یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فاقرؤا ماتیسر منہ۔ اس آیت کریمہ سے مسلمانوں کو یہ سبق ملتا ہے۔ کہ تجارتی کاروبار کو بیماری اور جہاد کی طرح اسقاط نماز تہجد کا سبب ٹھہرایا گیا۔ دوسرے الفاظ میں تجارت کی ضرورت کو جہاد کا ہم پلہ قرار دیا۔ اور تجارت پر فضل اللہ کا اطلاق کیا گیا۔ تاکہ مسلمانوں میں تجارت کی رغبت پیدا ہو۔ رات کے وقت جیسا کہ سورۃ کے ابتداء میں ہے۔ اگر ساری رات یا آدھی یا تہائی یا کم وبیش وقت تہجد میں لگ جاتا۔ تو اس کے عوض دن کے وقت آرام کرنا اور سونا ضروری ہو جاتا۔ بصورت دیگر دن بھر بیٹھے ہوئے اونگھتے رہتے اور جہاد اور تجارتی کاروبار درہم برہم ہو جاتا۔ اس لئے نماز تہجد کی فرضیت کو ان امور کے لئے وقت فارغ کرنے کی وجہ سے ساقط کر دیا گیا۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تجارت کا صحیح مقام معلوم ہو جاتا ہے۔

نماز جمعہ کے بعد مسجد میں بیٹھ کر نوافل، تلاوت کلام الٰہی یا ذکر خداوندی میں مصروف رہنا کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن سورۃ جمعہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب تم نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ۔ تو زمین میں تلاش معاش اور تجارتی کاروبار کے لئے پھیل جاؤ۔ اور اللہ کے فضل یعنی روزی کو تلاش کرو۔ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ۔

حج کی اہمیت بھی نماز سے کچھ کم نہیں۔ قرآن حکیم کی سورۃ بقرہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ کہ دوران حج میں حاجی تجارتی کاروبار بھی کر سکتا ہے۔ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم۔

پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ جو آدمی تجارت کرے اور اس میں سچائی اور امانت کا لحاظ رکھے۔ تو آخرت میں اس کا مقام انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کے ساتھ ہوگا۔ انبیاء اور صدیقین کی معیت اور رفاقت کو پا لینا معمولی بات نہیں۔ یہ نعمت بڑی بڑی نیکیوں سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ لیکن تجارت مومن کو اس ارفع مقام پر پہنچا دیتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کامیاب تجارت کے دو گر اور اصول بھی بتلائے۔ ۱۔ صداقت ۲۔ امانت ۔۔۔ ان دونوں اصولوں پر آج تک یورپی اقوام عمل پیرا ہیں۔ اور اسی لئے ان کی تجارت کامیاب ہے۔ لیکن ہم نے اپنے گھر کے ان دونوں اصولوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ اور فریب خیانت اور دھوکہ بازی کو اپنا شعار قرار دے لیا ہے۔ اسی لئے ہماری تجارت ناکام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے قول کے ذریعے بلکہ اپنے عمل سے بھی اسی کی تعلیم دی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی غرض سے خود شام کا سفر اختیار فرمایا۔ واپسی میں وہاں سے سامان تجارت لا کر مکہ معظم

میں فروخت کیا۔ صدق و امانت کی وجہ سے آپؐ کی تجارت نہایت کامیاب رہی۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد امت کی افضل ترین شخصیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے۔ خلافت سے پیشتر اور اوائل عہد خلافت میں آپؓ بھی کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ پھر کاروبارِ حکومت کی زیادتی اور صحابہؓ کے اصرار پر بادلِ ناخواستہ آپ کو تجارت چھوڑنا پڑی، تو آپ کے تمام کنبے کے خرچ کے لئے بیت المال میں سے سالانہ تنخواہ اولاً دو ہزار درہم اور آخراً اڑھائی ہزار درہم مقرر کی گئی۔ جو پاکستانی سکہ کے حساب سے بالترتیب پانچ سو اور پانچ سو پچیس روپے سالانہ یعنی تقریباً پچاس روپے ماہوار تھی۔ (باقی آئندہ)

باغہائے زیتون سے ہے۔ نابلس میں زیتون کے کافی باغات ہیں۔ ہر قسم کی سبزی یہاں موجود ہے۔ جو یہاں کی وادیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ زیادہ تر سبزی اریحا سے لائی جاتی ہے۔ جو یہاں سے تیس کیلومیٹر کی مسافت پر بجانب مشرق کو ایک بہت بڑا شہر ہے۔ وہاں تمام زمین ہموار ہے۔ اور دور دراز تک سنگترے، مالٹے، کیلے، سیب، امرود کے باغات ہیں۔ اور سبزیوں سے بھرپور کھیت ہیں۔

یہاں بکرے کا گوشت بارہ روپیہ سیر ہے۔ گائے کا گوشت شاذ و نادر ہوتا ہے۔ بھینس تو میں نے تمام اردن میں نہیں دیکھی۔ چیزوں کے سیزن میں انگور۔ انجیر آٹھ آنے سیر بکتے ہیں۔ اور خشک انجیر دس آنے سیر۔ تمام لوگ روٹی بازاروں سے خریدتے ہیں۔ جو (فرن) مشینوں سے پکائی جاتی ہیں۔ ایک کیلو (سیر) روٹی ایک روپیہ میں ملتی ہے۔ بیت المقدس میں کنگھی، پن، ماچس، بسکٹ، ٹافیوں اور پلاسٹک کے سامان کے معمولی کارخانے موجود ہیں۔ یہاں زیتون کی لکڑی سے مختلف قسم کے تحائف بنائے جاتے ہیں۔ جو یہاں کے لوگوں کے لئے معقول آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ آپ ہر گلی میں ان تحائف کی دکانیں دیکھیں گے۔ تسبیح، صلیبی نشانات، اونٹ، گھوڑے، کتے، آدمیوں اور دیگر حیوانات کے چھوٹے چھوٹے مجسمے بنائے جاتے ہیں جنکو یورپی سیاح بڑی قیمت سے خریدتے ہیں۔ اور ان مجسموں کی شرعی قباحت کا کسی کو کوئی احساس تک نہیں کیونکہ یہ تو کاروبار ہے اس میں شریعت کا کیا دخل۔

اردن کے لوگوں کی مالی حالت اچھی ہے۔ مزدور کی (یومیہ) مزدوری چودہ روپیہ روزانہ ہے۔ پولیس کا سپاہی اور فوجی کی تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار ہے۔ پیش امام کی تنخواہ آٹھ سو سے ایک ہزار تک ہے۔ خطیبوں کی تنخواہ بارہ سو سے پندرہ سو تک ہے۔ اوقاف شعبہ کے افسروں کی تنخواہیں تو بہت ہی زیادہ تھیں ——— یہاں پر بوقت شرقی حکومت کے کنٹرول میں ہے ایک ادارہ ادارۃ التحریر کے نام سے قائم ہے۔ جسکی اجازت کے بغیر اخبارات ایک حرف بھی شائع نہیں کر سکتے۔ اتفاقاً ہمیں (پاکستانی حجاج کے ساتھ) سعودی عرب داخل کرنے میں اردنی حکومت کے تعاون اور حسن سلوک کے سلسلہ میں شکریہ ادا کرنے کیلئے اخبارات کے دفاتر میں جانا پڑا۔ بیت المقدس سے شائع ہونے والے تینوں اخبارات۔ فلسطین، الدفاع اور الجہاد کے ایڈیٹروں نے معذرت کی اور ہمیں مشورہ دیا کہ ادارۃ التحریر سے اجازت حاصل کر لیں۔ انکی اجازت کے بغیر ایک حرف بھی شائع نہیں ہو سکتا۔ اب آئیے آپکو بیرونی مشاہد و مقامات عزیزیہ، بیت اللحم وغیرہ کیطرف لے چلوں۔

؎ افسوس کہ چند ہی دنوں بعد کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمۃ کانوا فیہا فاکہین کذلک واورثناہا قوماً آخرین کا دلخراش منظر پیش آیا۔ العظمۃ للہ۔ (س)

مولانا شیر علی شاہ صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ

بیت المقدس کے اس اسلامی عجائب گھر میں موتیوں کی ایک چوکور ٹیبل ہے۔ جس کے بارے میں یہ عبارت لکھی گئی ہے:

اِسْكَمْلَةُ خَشَبٍ صَغِيْرَةٌ مُطَعَّمَةٌ بِالصَّدَفِ بِقِطَعٍ صَغِيْرَةٍ اَشْبَهُ بِالْفُسَيْفَسَاءِ جَمِيْلَةُ الْمَنْظَرِ۔

یہاں پرانے زمانے کی موم بتیاں دیکھیں جو جیسے بڑے ستونوں کی طرح ہیں۔ ایک موم بتی کی موٹائی تین فٹ اور لمبائی سات فٹ ہے۔

سلطان عبدالحمید خان کا وہ بڑا جھاڑ بھی موجود ہے، جو مسجد صخرہ کو بطور ہدیہ بھیجا گیا تھا۔
اس تحائف خانہ میں سینکڑوں متبرکات ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل دیکھنے کے قابل ہیں۔ ۱۔ مسجد اقصیٰ کے منبر کا جھنڈا جس پر کلمۂ توحید سونے سے لکھا ہے۔ ۲۔ قریۂ خلیل سے کپڑے کا وہ ٹکڑا جو عہد قدیم کے سلاطین نے مسجد اقصیٰ کے لئے بھیجا تھا۔ جس پر کلمۂ توحید اور ایک آیت لکھی گئی ہے۔ ۳۔ پرانے زمانے کے دینار و درہم اور دیگر سکے۔ خاصکر عباسی دور حکومت سنہ ۲۰۱ھ کا ایک دینار جس پر کلمۂ توحید ثبت ہے۔ سنہ ۲۱۱ھ کا ایک دینار جس پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ درج ہے۔ سنہ ۲۱۲ھ کے ایک دینار پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عبد اللّٰہ مکتوب ہے۔ ایک دینار پر کلمۂ توحید کے نیچے المعتصم باللہ لکھا گیا ہے۔ ایک دینار پر سورۂ اخلاص اور کلمۂ توحید درج ہے۔ اور ایک پر المنتصر باللہ امیر المؤمنین۔

قرونِ اولیٰ کے سلاطین اشاعت توحید اعتماد علی اللہ کے دلدادہ تھے۔ آج تو تصویر پرستی کا دور ہے۔ ہر ایک بادشاہ اپنی شہرت کی غرض سے درہم و دینار پر اپنی تصاویر شائع کرنے کا مشتاق ہے۔ وہ اللہ کا نام لکھواتے تو ان کے خزانوں میں برکت تھی۔ آج کل کے سلاطین اپنی تصویروں میں ملک و ملت

کی ترقی سمجھنے لگے ترغیروں کے محتاج اور دست نگر بن گئے ہیں۔

لکڑی کا وہ تختہ دیکھا جس کے بارے میں لوح خشب مختلف من سقف المسجد الاقصیٰ المبارك من العصر الاموی ۔ (یہ عہد اموی کے دور کی مسجد اقصیٰ کی چھت کا ایک ٹکڑا ہے۔)

ایک بڑے بورڈ کے متعلق یہ عبارت درج ہے۔ وجدت هذه اللوحة فی تكية خاصكی زوجة السلطان سليمان القانونی ومنها يستدل انها كانت كجل للاشخاص الذين كانوا يتناولون طعامهم من التكية ۔ (یہ تختہ سلطان سلیمان قانونی کی بیگم کے تکیہ سے ملا گویا یہ اس زمانہ میں لنگر سے کھانا لینے والوں کے رجسٹر کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔)

متحف سے فراغت کے بعد اس مسجد کے دیکھنے کو گیا جو صرف عورتوں کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس پر المسجد للسیدات خاصة کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ یہاں ظہر، عصر، اور مغرب کی نماز ایک اندھا امام عورتوں کو پڑھاتا ہے۔ جو حکومت کی طرف سے مقرر ہے۔ فجر اور عشاء کے وقت یہ مسجد بند رہتی ہے۔ ان دونوں اوقات میں عورتیں مسجد اقصیٰ کی جانب غربی کے گوشہ میں آ کر شریک جماعت ہوتی ہیں۔

دیوار براق وہ جگہ ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات براق کو یہاں باندھا تھا۔ درحقیقت یہ ہیکل سلیمانی کا بقیہ دیوار ہے۔ شداد بن اوس، عبادہ بن صامت حضرات صحابہ کی قبریں باب الرحمۃ کے پاس ہیں۔ ابو ریحانۃ القرظی کی قبر باب السعدیہ کے ساتھ ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا روضہ | ظہر کی نماز پڑھ کر کچھ کھانا کھانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا روضہ دیکھنے گیا۔ یہ روضہ مسجد صخرہ کے جانب مشرق تین سو قدم کے فاصلہ پر بیرونی دیوار کے متصل ایک مقفل کمرے میں واقع ہے۔ کمرے کے دونوں جانب جالیدار کھڑکیاں ہیں جن سے قبر دیکھی جا سکتی ہے۔ قبر کی لمبائی سات گز تقریباً ہوگی۔ قبر شمالاً جنوباً ہے۔ یہاں جتنی پیغمبروں کی قبریں ہیں وہ شمالاً جنوباً ہیں۔ کیونکہ اس وقت قبلہ یہی تھا۔ تحویل قبلہ کے بعد یہاں کی قبور شرقاً و غرباً ہیں۔ اس کمرے کے متصل حبس سلیمان (جیل خانہ) ہے۔ جہاں شریر جنات کو قید و بند میں رکھا جاتا تھا۔ اصطبل سلیمان یہاں سے ذرا فاصلے پر ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے یہاں رہتے تھے۔

جبل زیتون | روضہ سلیمان کے قریب شمال مشرقی دروازے سے نکل کر جبل زیتون دیکھنے کے لئے بس میں سوار ہوئے۔ بس میں ایک گرش کرایہ ہے جو پاکستانی سوا تین آنے (تقریباً) بنتے ہیں۔

سب سے پہلے سلمان فارسیؓ کے روضہ پر گئے۔ قبر پر صندوق کا یہ فرمان مکتوب ہے، سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ ــــ مشہور ہے کہ یہ قبر سلمان فارسی کی ہے۔ مگر زیادہ ثقہ یہ ہے کہ سلمان فارسیؓ نے بغداد میں وفات پائی۔ اور مدیا ئے دجلہ کے کنارے واقع قبرستان میں ان کو دفنایا گیا تھا۔ بعد میں سیلاب سے قبر گرنے کا خطرہ تھا، تو سلمان فارسیؓ اور حذیفہ بن الیمانؓ دونوں کی قبروں کو اس دور کی حکومت نے منتقل کروا دیا تھا۔ اب سلمان پاک" بغداد سے کچھ مسافت پر دور ایک جگہ ہے، جہاں ان دونوں حضرات کے مقبرے ہیں۔

رفع مسیح کی جگہ | سلمان فارسیؓ کے اس مزار سے دو فرلانگ کی مسافت پر جانب جنوب کو وہ جگہ ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام رات کو عبادت کیا کرتے تھے۔ اور جب یہودیوں نے قتل کے ارادہ پر ان کے اس مکان کا محاصرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں پر اٹھایا۔ اس جگہ کو موضع رفع المسیح کہتے ہیں۔ اس جگہ عیسائی مرد وزن کا ہجوم رہتا ہے۔ یہاں ساتھ والے مکان پر چڑھ کر دیکھیں تو بیت المقدس کا وہ حصہ صاف نظر آتا ہے۔ جو یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ یہاں سے داؤد علیہ السلام کا روضہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ جو شہر کے مغربی جنوبی حصہ میں ہے۔ یہ روضہ یہودیوں کے مقبوضہ حصہ میں ہے۔

رابعہ عدویہ کی قبر موضع رفع المسیح کے قریب ہے۔ اس پہاڑ پر کئی گرجے ہیں۔ واپسی پہاڑی سے پیادہ اترا۔ اس پہاڑی کے دامن میں ایک بہت بڑا کلیسا ہے۔ جو جسمانیہ کلیسا کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کلیسا میں ایک غار ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام اپنے شاگردوں کے ساتھ ذکر خداوندی کیا کرتے تھے۔ اس کلیسا سے آگے حضرت مریم علیہا السلام کا روضہ ہے۔ جو ایک وسیع وعمیق مکان کے اندر ہے۔ لوگ اس تاریک مکان کے اندر موم بتی جلا کر جاتے ہیں ــــ مریم علیہا السلام کی قبر بہت ہی تنگ کمرے میں واقع ہے۔ جہاں پانچ چھ آدمی بمشکل سما سکتے ہیں۔ پادری یہاں انجیل پڑھتے ہیں ــــ اس عمارت کی تمام دیواریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی تصویروں سے بھری پڑی ہیں۔ ان کی زندگی کے مختلف ادوار کو ان تصاویر میں پیش کیا گیا ہے۔ مسیحی لوگ خصوصاً ان کے پادری ان تصویروں کو دیکھ دیکھ کر روتے ہیں ــــ اور اس تصویر بینی اور عکس پرستی کو اپنی روحانیت کی ترقی و اضافہ کا باعث تصور کرتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن وجوانی اور بڑھاپے کی تصویریں۔ ماں کی گود میں جب وہ بولنے لگے۔ یہودیوں میں جب وہ تبلیغ کرتے تھے، نیز ان کو سولی پر چڑھانے، ہتھیلیوں پر میخیں ٹھونکنے۔ مریم کے رونے اور زمین پر بیہوش گرنے وغیرہ کی فرضی اور خود ساختہ تصویروں کے دیکھنے سے طبیعت منغض ہو جاتی ہے۔ باہر آکر

ایک پادری نے ہم سے پوچھا کہ آپ مسیحی ہیں۔ (میرے ساتھ آسام کے رفقاء تھے۔) میں نے جواب دیا ہم اس پیغمبر کی امت میں سے ہیں جس کی تشریف آوری کی بشارت صاحب روضہ کے بیٹے مسیح علیہ السلام نے دی تھی ــــــ اس نے کہا کہ مسیحؑ اور مریمؑ کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے۔ میں نے اسکو کہا کہ قرآن پاک کی یہ آیتیں سنئے۔ میں نے سورۃ مریم کا دوسرا رکوع واذکر فی الکتب مریم۔ آخر تک تلاوت کیا۔ وہ پادری سنتا رہا اور اسکی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ میں نے مکمل رکوع تلاوت کرنے کے بعد کہا، ہم عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بندہ اور رسول مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمانوں پر اٹھایا ہے۔ اس نے کہا کہ تم مریمؑ اور مسیحؑ کے ساتھ اتنی بے پناہ محبت رکھتے ہوئے پھر بھی اسکو خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ پادری غصہ میں تھا، چلاّ کر بولا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ اور اسکو یہودیوں نے سولی پر قتل کر دیا تھا۔ اور کنیسۃ القیامہ میں اسکی قبر ہے۔ میں نے جوابات دیئے۔ اس نے کہا بغیر باپ کے کسطرح بیٹا پیدا ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا اس کا جواب تو قرآن مجید نے دیا ہے۔ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم۔ عیسیٰؑ کا بن باپ پیدا ہونا آدمؑ جیسا ہے کہ ان کو بن باپ اور بن ماں پیدا کیا گیا۔ اس دو ٹوک اور سادہ مثال پر وہ قانع نہ ہوا تو میں نے الزامی طور پر اسے ایک عالم کا قول پیش کیا۔ کہ اچھا اگر ایسا ہی ضروری ہے تو (معاذ اللہ) پھر دادا کون ہے۔؟ اس پر وہ کپڑے جھاڑتے ہوئے چلا گیا۔

افسوس کی بات ہے کہ جہاں کہیں بھی عیسائیوں کا تسلط ہے، وہ برابر اپنے باطل عقائد وافکار کی اشاعت کرتے ہیں۔ مگر مسلمان گائیڈ جو باہر سے آنے والے مسیحیوں کی قیادت و رہبری کرتے ہیں۔ وہ ان مسیحیوں کے عقائد کے خلاف ایک لفظ تک نہیں بول سکتے۔ اس کا علم ہمیں موضع رفع المسیح میں ہوا کہ ایک مسلمان عیسائیوں کو اس جگہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہنے لگا کہ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا گیا۔ وہ اتنا بھی نہ کہہ سکا کہ تمہارے عقائد کے مطابق یہ ان کی سولی کی جگہ ہے۔ اور ہمارے مسلمانوں کے لئے یہ جگہ اس لئے متبرک ہے کہ یہاں سے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانوں پر اٹھایا تھا۔

مسیحیوں کے مدارس میں مسلمان بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور ان مراکز میں پادریوں کی تبلیغ نے بعض عرب نوجوانوں کے عقائد کو متزلزل کر دیا ہے۔ عبدالاول عبدالقادر صلاح نامی ایک نوجوان جو یہاں کا باشندہ ہے اور دمشق یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے۔ اس سے بات چیت ہوئی۔ اس نے وفات عیسیٰ کے بارے میں اپنے جن رجحانات کا اظہار کیا وہ ایک عیسائی کے خیالات تو ہو سکتے ہیں مسلمان کے نہیں۔ ان غلط افکار کے پھیلانے میں جامعہ ازہر مصر کے سابق شیخ شلتوت (جو اب وفات پاچکے ہیں) کا بھی جہت بڑا حصہ ہے۔ جنہوں نے جمہور اسلام اور تمام امت کے متفقہ عقیدہ کے

برخلاف وفات مسیح کی رائے پیش کی۔ اس طالب علم کو اپنی دلائل پر بہت ناز تھا۔ مگر بحمداللہ اکابرین دیوبند بالخصوص حبر امت متکلم دوران حضرت مولانا شاہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر جس انداز سے بحث کی ہے۔ اس سے اپنی کم استعدادی کی وجہ سے معمولی استفادہ کیا تھا وہ میرے لئے اس مقام میں عزت و سعادت کا باعث بنا۔ (اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی ارواح طیبہ پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے) علمائے دیوبند کے مقابلہ میں موجودہ اکثر عرب علماء کی علمی قابلیت ہیچ ہے۔ ان میں سطحی سرسری معلومات ہیں اور ادبیت ہے۔ ان میں تحقیقی ٹھوس علوم کا فقدان ہے۔

جامع عمرؓ کنیسۃ القیامہ | یہاں مسجد کو جامع کہتے ہیں۔ بیت المقدس میں مسجد صخرہ اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ تیس تک مسجدیں ہوں گی۔ مگر سب میں اہم اور قابل دید جامع عمر ہے۔ جو کنیسۃ القیامہ کے عین مقابل ہے۔ کنیسۃ القیامہ شہر بیت المقدس کے درمیان مسیحیوں کا ایک بہت بڑا گرجا ہے۔ یہاں ہر وقت باہر ممالک سے آئے ہوئے سینکڑوں مسیحی موجود رہتے ہیں۔ ان کے باطل عقیدہ کی رو سے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مزار ہے۔ اس گرجے میں انہوں نے فرضی سولی بنا رکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس سولی پر ان کو لٹکایا گیا۔ یہاں وہ گر گئے تھے۔ اس جگہ ان کی لاش کو رکھا گیا۔ اور یہاں ان کو غسل دیا گیا۔ اس جگہ مریمؑ غم کی وجہ سے بیہوش ہو کر گر پڑی تھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرضی مزار ایسی تنگ جگہ میں بنایا گیا ہے۔ کہ اندر جانے والے مجبوراً سجدہ کی حالت میں جا سکتے ہیں۔ اس بڑے گرجے کے قرب و جوار میں لاطینی۔ آرمینی وغیرہ بے شمار گرجے ہیں۔

کنیسۃ القیامہ کے بالمقابل جامع عمرؓ ہے۔ مشہور ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ میں بیت المقدس فتح کر کے یہاں کے مسیحیوں اور پادریوں کو امان دیکر چھوڑا۔ (اور مسلمانوں کو تاکید کی کہ مسیحیوں کے گرجوں یا چرچوں کی کسی چیز کو نہ توڑیں۔) تو اس کنیسہ کے بڑے پادری نے حضرت عمرؓ کو اس گرجا کے دیکھنے کی دعوت دی۔ (اس جگہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ حنہ بنت فاقوذ کا گھر تھا۔) حضرت عمرؓ وہاں تشریف لے گئے اور جب گرجا سے باہر نکلے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ساتھیوں کو نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ پادری نے کہا کہ گرجے کے اندر جگہ ہے وہاں نماز پڑھ لیں مگر حضرت عمرؓ نے وہاں پڑھنے سے انکار کیا۔ اور گرجے سے بیس قدم کے فاصلہ پر جنوب کی جانب اس میدان میں اذان دی اور نماز باجماعت پڑھائی جہاں اس کے بعد مسلمانوں نے جامع عمرؓ کے نام سے مسجد بنائی۔ یہ ان کی فراست تھی۔ اگر گرجے کے اندر وہ نماز پڑھتے تو آج مسلمان بھی وہاں جا کر نماز پڑھتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ گرجے کے بالمقابل مسجد کی تعمیر سے پانچوں وقت آوازِ حق

بلند ہو گی اور غیر مسلم اقوام کی ہدایت کا ذریعہ بن سکے گا۔ یہ جامع اگرچہ مختصر عمارت پہ مشتمل ہے۔ مگر اپنی تاریخی عظمت، جائے وقوع، شاندار عمارت اور ممتاز ستون کی بنا پہ قابل دید ہے۔ اس مسجد میں ایک کتبہ پر عربی کے یہ چند اشعار پڑھے جو بہت پسند آئے:

۱۔ عِفّوا تَعِفَّ نِسَاءُكُمْ فِي الْمَحْرَمِ — وَتَجَنَّبُوا مَا لَا يَلِيقُ بِمُسْلِمِ

۲۔ إِنَّ الزِّنَا دَيْنٌ فَإِنْ أَقْرَضْتَهُ — كَانَ الْوَفَاءُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِكَ فَاعْلَمِ

۳۔ مَنْ يَزْنِ يُزْنَ بِهِ وَلَوْ بِجِدَارِهِ — إِنْ كُنْتَ يَا هٰذَا لَبِيبًا فَاعْلَمِ

۴۔ يَا هَاتِكًا حُرَمَ الرِّجَالِ وَقَاطِعًا — سُبُلَ الْمَوَدَّةِ عِشْتَ غَيْرَ مُكَرَّمِ

۵۔ لَوْ كُنْتَ حُرًّا مِنْ سُلَالَةِ طَاهِرٍ — مَا كُنْتَ هَتَّاكًا لِحُرْمَةِ مُسْلِمِ

ترجمہ:۔ پاکدامن بن جاؤ تو تمہاری بیویاں بھی پاکدامن رہیں گی۔ اور ناشائستہ امور سے بچتے رہو۔ ۲۔ بیشک زنا ایسا قرض ہے جسکو اگر تم نے اپنے ذمہ لیا تو تمہارے گھر والوں کو اسکی ادائیگی کرنی پڑے گی۔ ۳۔ جس نے زنا کیا اس سے ضرور بدلہ لیا جائے گا۔ خواہ اس کی دیوار سے کیوں نہ ہو، اگر تم عقلمند ہو تو سمجھ لو۔ ۴۔ اے لوگوں کی آبروریزی کرنے والے اور محبت کے راستوں کو کاٹنے والے تو ذلیل و خوار ہو کر رہے گا۔ ۵۔ اگر تو کسی پاکیزہ نسل سے کوئی شریف انسان ہوتا تو مسلمان کی حرمت و عزت کی پردہ دری نہ کرتا۔

آپ سکھ ہیں یا مسلمان | جامع عمرؓ سے واپسی پر راستہ میں ایک نوجوان دوکاندار نے پوچھا "آپ سکھ ہیں یا مسلمان" میں نے اسکی طرف توجہ ہی نہ کی کیونکہ ان مضحکہ خیز آوازوں سے ہمارے کان مانوس ہو گئے تھے۔ مگر اس کمبخت نے اونچی آواز سے جب دوبارہ پوچھا اور آس پاس کے دوکاندار بھی تعجب کی نگاہ سے دیکھنے لگے تو مجبوراً جواب دینا پڑا میں نے کہا کہ داڑھی سکھوں کا شعار ہے یا مسلمانوں کا۔ تم اتنے بے شرم ہو گئے ہو کہ داڑھی کی وجہ سے ایک مسلمان کو سکھ کہتے ہو۔ کیا تم داڑھی منڈوانے کی وجہ سے عیسائی کہلاؤ گے۔ داڑھی تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ تمام پیغمبروں کے چہرے اس مبارک شعار سے مزین تھے۔ افسوس کہ تم اس مقدس زمین میں رہ کر حضورؐ کی سنت کی توہین کر رہے ہو۔ اس کے ساتھی دوکاندار نے کہا۔ چونکہ جنگ عظیم میں یہاں سکھ رجمنٹ رہ چکی ہے۔ اسی بنا پر اسکو شبہ ہوا۔ میں نے کہا جنگ عظیم کے وقت یہ کہاں موجود تھا۔ اس نے کہا ماں باپ اور بزرگوں سے ان کے واقعات سنتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ماں باپ نے اسکو یہ نہیں بتایا

کہ ہمارے باپ دادوں کی بھی ڈاڑھیاں تھیں۔

چشمہ ایوب علیہ السلام | صبح کو وادی کدرون اور عین ایوب دیکھنے گئے باب عمرؓ کے راستے نیچے وادی کی طرف روانہ ہوئے۔ باب عمر مسجد اقصیٰ کی جانب جنوب کو ایک بہت بڑا دروازہ ہے۔ جس سے حضرت عمرؓ فتح بیت المقدس کے وقت داخل ہوئے تھے۔ اس دروازے سے چشمہ ایوب کچھ فرلانگ نیچے وادی میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس چشمہ سے ایوب علیہ السلام نے غسل فرمایا تھا۔ اب یہاں کنوآں ہے۔ اور اس پر واٹر پمپ لگا دیا گیا ہے۔ یہاں کے بعض مسلمان اپنی میت کو غسل دینے کے لئے یہاں لاتے ہیں۔

چشمہ ایوب سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر "برکۃ سلوان" ایک تاریخی قدیم چشمہ ہے۔ اس کا پانی موسم سرما میں بہت گرم اور موسم گرما میں بہت سرد ہوتا ہے۔ برکۃ سلوان کے دروازے میں جو دوکان ہے۔ اس کے مالک نے ہمیں اس چشمہ کے بارے میں بتایا کہ سلیمان علیہ السلام کے پرپوتے ملک حذقیا نے یہ چشمہ کھودا تھا۔ اس چشمہ کا منبع یہاں سے ایک سو تیس گز کی مسافت پر دور ہے۔ جہاں سے چشمہ نکلا ہے وہاں تک انسان اس زمین دوز سرنگ میں جا سکتا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس چشمہ کا پانی ذائقہ میں زمزم کی طرح ہے۔ ترک بادشاہوں نے اس چشمہ کی مکمل صفائی اور مرمت کی تھی۔ یہودیوں نے ترکی حکومت کے عہد میں اس چشمہ کے آس پاس زمین کو خریدا۔ اور اس متصل زمین خریدنے کا بھی فیصلہ ہونے والا تھا۔ مگر عین موقع پر یہاں کے دیندار لوگوں نے ترکی حاکم کو اطلاع دی۔ اس نے حکم دیا کہ اس زمین میں مسجد تعمیر کر دی جائے۔ چنانچہ وہ جامع اب تک موجود ہے۔ دوکاندار نے مزید بتایا کہ اس وادی کا ذکر توراۃ میں موجود ہے۔ توراۃ نے اس وادی کو وادی کدرون کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ دوکاندار دعوۃ الاحرار کا ایک سرگرم رضاکار ہے۔

دعوۃ الاحرار اخوان المسلمین جیسی ایک مذہبی جماعت ہے جس کا مرکز لبنان ہے۔ مگر یہ جماعت اخوانیوں کی مخالف ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اخوانی صرف افکار پیش کرتے ہیں عملی کام نہیں کرتے مگر درحقیقت دینی، مذہبی اقدار اور اسلامی روایات کی ترویج و اشاعت کے لئے جو مساعی جمیلہ اخوان المسلمین سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ کوئی دوسری جماعت نہیں کر سکتی۔ اخوانیوں کے دلوں میں مذہبی دینی جذبات ہیں۔ اور ملک میں قرآن و حدیث کی اشاعت کے درپے ہیں۔ ان ممالک میں بھی ایک جماعت ہے، جو کلمۂ حق بلند کرنے میں مصروف جہاد ہے۔ صدر ناصر کے حامی لوگ ان معزز جماعتوں کے مخالف ہیں۔ ان کا الزام ہے کہ یہ امریکہ کی قائم کردہ جماعتیں ہیں۔ یہاں فلسطینی جہاجر

ناصر کے مداح و شیدائی ہیں۔ ایک فلسطینی نے اپنی محبت کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔ لَوْ تَشَقَّقُ قُلُوْبُنَا لَوَجَدْتَ بِدَاخِلِهَا النَّاصِرَ۔ اگر ہمارے دلوں کو چیرا جائے تو ان کے اندر ناصر ہی ہوگا۔

دعوۃ الاحرار کے اس رہنما کار نے رخصت ہوتے وقت یہ جملہ کہہ کر کہا: اِنِّیْ اُطَوِّقُ اَمَانَةً بِعُنُقِكَ فَاَوْصِلْهَا اِلٰی عُلَمَاءِ بَاكِسْتَانَ وَهِيَ اَنْ يَشْتَعِلُوْا فِيْ قُلُوْبِ الْمُسْلِمِيْنَ نَارَ الْحُرِّيَّةِ حُرِّيَّةِ الْاِسْلَامِ غَيْرَهَا لَيَقِفُنَّ عَنْ قُوَى الْبَاطِلِ۔ "میں آپ کو ایک امانت سپرد کرتا ہوں جسکو آپ علماء پاکستان تک پہنچائیں کہ وہ مسلمانوں کے دلوں میں حریت اسلامی کی آگ سلگائیں اور اقدار اسلامی کو زندہ کرنے میں ہر باطل قوت کا مقابلہ کریں۔"

وادی کدرون کے یہ متبرک مشاہد دیکھنے کے بعد قلعۂ قدس دیکھنے کیلئے روانہ ہوئے۔ یہ قلعہ بیت المقدس کی جانب جنوب مغرب میں ہے۔ راستہ میں یہودیوں کے مکانات دیکھے جن کو مسمار کر دیا گیا ہے۔ راستہ ہی میں باب داؤد بھی دیکھا جہاں سے داؤد علیہ السلام کے روضہ کیطرف راستہ جاتا ہے۔ یہ دروازہ اب بند ہے۔ قلعہ کے اندر جانے کی اجازت نہ ملی۔ یہاں ان دنوں فوج کی کڑی نگرانی ہے۔ قلعہ کے جانب مغرب یہودیوں کا مقبوضہ شہر ہے جو یروشلم کہلاتا ہے۔

موقف الباصات (بس سٹینڈ) کے قریب جانب شمال کو ابراہیم بن ادھم کی قبر بتاتے ہیں۔ باب العمود (جو بس کے اڈہ کے قریب ہے) سے دس گز کے فاصلہ پر وہ سنگین بلند دیوار ہے جس نے شہر بیت المقدس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور جسے یہودیوں کے آئے دن کے شر و فساد سے بچنے کی خاطر مسلمانوں نے جنگ بندی کے بعد رضاکارانہ تعمیر کیا ہے۔ اس دیوار کے مغربی جانب یہود رہتے ہیں جسکو القدس الجدید کہتے ہیں۔ کسی نے بتایا کہ بیت المقدس سطح سمندر سے دو ہزار تین سو فٹ کی اونچائی پر واقع ہے۔ اس لئے سردیوں میں برف باری ہوتی رہتی ہے جون اور جولائی میں بھی یہاں بہار جیسا موسم رہتا ہے۔

اردگرد کی بستیاں | بیت المقدس کے اردگرد مندرجہ ذیل بستیاں قابل دید ہیں:۔

تکمیریہ، عیزریہ، سور باھر، الدھیشہ، قریۂ خضرؑ، بیت اللحم، حلحول، خلیل، قریۂ بنی نعیم، دورہ، بیطا، سموع، بنت امر، صوریف، سعیر، الشیوخ، اریحا۔ ان بستیوں کے دوکاندار بیت المقدس کے تھوک فروشوں سے سودا لے جاتے ہیں۔ ہر وقت بیت المقدس کے تنگ و تاریک مسقف بازاروں میں ہجوم رہتا ہے۔ بازاروں میں اکثریت عورتوں کی ہے۔ گھریلو ضروریات کی خرید کا بوجھ صنف نازک نے اپنے کاندھوں پہ اٹھایا ہے۔ دیہاتی عورتوں کا لباس تو قدرے پردے کا ہے۔

مگر شہری عورتوں کا لباس بالکل یورپی ہے۔ کالجوں کی لڑکیاں عموماً مرد حجام سے سر کے بال بنواتی ہیں۔ اور لڑکے عورت حجام سے حجامت کرواتے ہیں۔ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کے ہمہ گیر سیلاب نے اس مقدس شہر کے مسلمانوں کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

دینی علوم سے بے تعلقی اور اجنبی تہذیب سے شغف کا کیا حال ہے؟ اس کا کچھ اندازہ اس سے لگتا ہے کہ صرف اردن اور سعودی عرب کے پچاس ہزار نوجوان فرانس، امریکہ، اور برطانیہ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اور دشمنانِ اسلام کی زہریلی آغوش تربیت میں تمدن و تہذیب سیکھ رہے ہیں ؎

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

ان یورپی تہذیب یافتگان میں اسی فیصد وہاں کی مسیحی عورتوں سے شادی کر کے آتے ہیں۔ ان ایمان اور حیا سوز یونیورسٹیوں سے فارغ شدہ نوجوانوں کو دیکھ کر چھوٹے بچوں پر بھی انگریزی اور فرانسیسی زبان کا بھوت سوار ہو جاتا ہے۔ مسجد اقصیٰ کے باہر سکول کے ایک طالب علم نے مجھ سے پوچھا کہ آپ انگریزی بول سکتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ مگر عربی کو میں پسند کرتا ہوں۔ اس نے کہا مجھے تو انگریزی پسند ہے۔ میں نے کہا عربوں کی تو انگریزی کے ساتھ کچھ مناسبت ہی نہیں۔ تم تو ٹی اور ڈی بول ہی نہیں سکتے۔ ونٹ کو ونت اور ڈو کو دو سے تعبیر کرتے ہو۔ وقس علی ھذا انتہائی صدمہ ہوتا ہے کہ اپنے عرب نوجوان بھائیوں کی صورت و سیرت۔ وضع قطع لباس۔ خورد و نوش کے طریقے یورپی استادوں کی طرح ہیں۔ ان پلید ملکوں سے بند ڈبوں میں درآمد شدہ گوشت۔ مچھلی۔ ذبح شدہ مرغ۔ انڈے۔ مربے۔ اچار۔ پنیر۔ دودھ۔ دہی۔ مکھن و دیگر اشیاء یہاں استعمال ہوتے ہیں۔ عرب چاول، بھنا ہوا گوشت، پنیر، اچار اور ترشی کی چیزیں بہت پسند کرتے ہیں۔ حمص یہاں کا مشہور سالن ہے۔ جو چنے کو پکانے کے بعد خوب پیس کر روغن زیتون اور ترشی کے ملانے سے بنتا ہے۔ یہاں عموماً گھی کی جگہ زیتون کا تیل استعمال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تیل گائے کے گھی سے زیادہ مفید اور قوت بخش ہے۔ بعض لوگ تو صبح کے وقت ایک پیالہ روغن علی الدوام پیتے ہیں۔ خالص روغن زیتون یہاں پانچ روپیہ سیر ہے۔ روغن زیتون کی پیداوار قدس اور اس کے آس پاس

باغہائے زیتون سے ہے۔ نابلس میں زیتون کے کافی باغات ہیں۔ ہر قسم کی سبزی یہاں موجود ہے۔ جو یہاں کی وادیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ زیادہ تر سبزی اریحا سے لائی جاتی ہے۔ جو یہاں سے تیس کیلومیٹر کی مسافت پر بجانب مشرق کو ایک بہت بڑا شہر ہے۔ وہاں تمام زمین ہموار ہے۔ اور دور دراز تک سنگترے، مالٹے، کیلے، سیب، امرود کے باغات ہیں۔ اور سبزیوں سے بھرپور کھیت ہیں۔[1]

یہاں بکرے کا گوشت بارہ روپیہ سیر ہے۔ گائے کا گوشت شاذ و نادر ہوتا ہے۔ بھینس تو میں نے تمام اردن میں نہیں دیکھی۔ پھلوں کے سیزن میں انگور۔ انجیر آٹھ آنے سیر بکتے ہیں۔ اور خشک انجیر دس آنے سیر۔ تمام لوگ روٹی بازاروں سے خریدتے ہیں۔ جو (فرنچ) مشینوں سے پکائی جاتی ہیں۔ ایک کیلو (سیر) روٹی ایک روپیہ میں ملتی ہے۔ بیت المقدس میں کنگھی، پن ماچس، بسکٹ، ٹافیوں اور پلاسٹک کے سامان کے معمولی کارخانے موجود ہیں۔ یہاں زیتون کی لکڑی سے مختلف قسم کے تحائف بنائے جاتے ہیں۔ جو یہاں کے لوگوں کے لئے معقول آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ آپ ہر گلی میں ان تحائف کی دکانیں دیکھیں گے۔ تسبیح، صلیبی نشانات، اونٹ، گھوڑے، کتے، آدمیوں اور دیگر حیوانات کے چھوٹے چھوٹے مجسمے بنائے جاتے ہیں جنکو یورپی سیاح بڑی قیمت سے خریدتے ہیں۔ اور ان مجسموں کی شرعی قباحت کا کسی کو کوئی احساس تک نہیں کہ یہ تو کاروبار ہے اس میں شریعت کا کیا دخل۔

اردن کے لوگوں کی مالی حالت اچھی ہے۔ مزدور کی (یومیہ) مزدوری چودہ روپیہ روزانہ ہے۔ پولیس کا سپاہی اور فوجی کی تنخواہ چھ سو روپیہ ماہوار ہے۔ پیش امام کی تنخواہ آٹھ سو سے ایک ہزار تک ہے۔ خطیبوں کی تنخواہ بارہ سو سے پندرہ سو تک ہے۔ دوسرے طبقہ کے افسروں کی تنخواہیں تو بہت ہی زیادہ ہیں۔ —— یہاں صحافت بھی حکومت کے کنٹرول میں ہے ایک ادارہ ادارۃ التحریر کے نام سے قائم ہے۔ جسکی اجازت کے بغیر اخبارات ایک حرف بھی شائع نہیں کر سکتے۔ اتفاقاً ہمیں (پاکستانی حجاج کے ساتھ) سعودی [illegible] حاصل کرنے میں اردنی حکومت کے تعاون اور حسن سلوک کے سلسلہ میں شکریہ ادا کرنے کیلئے اخبارات کے دفاتر میں جانا پڑا بیت المقدس سے شائع ہونے والے تینوں اخبارات۔ فلسطین، الدفاع اور الجہاد کے ایڈیٹروں نے معذرت کی اور ہمیں مشورہ دیا کہ ادارۃ التحریر سے اجازت حاصل کر لیں۔ انکی اجازت کے بغیر ایک حرف بھی شائع نہیں ہو سکتا۔ اب آئیے آپکو بیرونی مشاہد و مقامات عزیزیہ، بیت اللحم وغیرہ کیطرف لے چلوں۔

۱ـ افسوس کہ چند ہی دنوں بعد کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمۃ کانوا فیہا فاکہین کذلک واورثناہا قوما آخرین کا دلخراش منظر پیش آیا۔ العظمۃ للہ ۔ (س)

حضرت مولانا محمد لطف اللہ صاحب فاضل دیوبند جہانگیرہ روڈ

یہود کا غلبہ

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں کو یہ شبہ پیش آتا ہے کہ ایک مغضوب قوم جس کے لئے ذلت و مسکنت مقدر کر دی گئی ہے، کس طرح قوت و اقتدار کے اس مقام تک پہنچ گئی؟

یہاں سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہود کا مغضوب و ملعون ہونا دو ہزار سال کا مشاہدہ ہے۔ اور تاریخ ہر زمانے میں ان کی ملعونیت و مغضوبیت پر مہر تصدیق ثبت کرتی رہی ہے۔ اس لئے یہود کے لئے غضب و لعنت اور ذلت و مسکنت صرف قرآن حکیم ہی کا دعویٰ نہیں، بلکہ ان کی اپنی کتاب مقدس "یرمیاہ نبی کی کتاب" میں بھی یہی مضمون موجود ہے۔

"میں ایسا کروں گا کہ یہود کے درمیان خوشی کی آواز اور خرمی کی آواز نہ رہے۔ دولہا اور دلہن کی آواز اور چراغ کی روشنی نہ رہے۔ اور یہ ساری سرزمین ویرانہ اور حیرانی کا باعث ہوگی۔" (یرمیاہ کی کتاب ۲۵: ۹-۱۱)

اس کے بعد "یرمیاہ نبی" کا نوحہ ہے۔

"خداوند نے اسرائیل کی جان کو آسمان سے زمین پر پٹک دیا، اور اپنے قہر کے دن اپنے پاؤں کی کرسی کو یاد نہ کیا، خداوند نے یعقوب کے سارے گھرانوں کو غارت کر دیا۔ اور رحم نہ کیا، اس نے اپنے قہر میں یہودا کی بیٹی کے قلعوں کو مسمار کر دیا۔ اس نے انہیں خاک کے برابر کر دیا، اس نے اپنے قہر شدید سے اسرائیل کے ہر ایک سینگ کو کاٹ دیا۔"

(نوحہ یرمیاہ ۲: ۱-۳)

پس یہود کو سزا دینا اور ان پر غضب متواتر ہونا صرف بعد از اسلام کی بات نہیں بلکہ دو ہزار برس قبل از اسلام سے متواتر چلا آ رہا ہے۔ لیکن قدرت کا یہ متواتر عمل جو اب یکایک بدل گیا، اور خلاف معمول یہود کو ظاہری تسلط نصیب ہو گیا۔ اس میں ہمارے لئے دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

اوّل یہ کہ بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کو بھی ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ منکرین و مخالفین یہ کہنے لگ جاتے تھے کہ پیغمبروں کی باتیں پوری نہیں ہوئیں۔ اور مومنین میں بھی مایوسی کے اثرات پیدا ہو جاتے تھے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حتی اذا استیاٴس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاءھم نصرنا فنجی من نشاء ولا یرد باٴسنا عن القوم المجرمین۔ (سورۂ یوسف)

یہاں تک کہ جب رسولوں پر بھی مایوسی طاری ہونے لگی، اور لوگوں کو خیال ہوا کہ ان سے جو کچھ کہا گیا تھا وہ پورا نہ ہوا۔ تب ہماری مدد پہنچی، پھر جس کو ہم نے چاہا اسے نجات مل گئی اور ہمارا عذاب مجرم قوموں سے کبھی نہیں ٹلتا۔

لہٰذا یہود کی اس وقتی کامرانی سے ان کی مغضوبیت کا داغ نہیں دھل جاتا آخرکار خدا کا عذاب ان یہودیوں پہ ہی آکر رہے گا۔ جب یہودی قوم ساڑھے تین ہزار سال تک متواتر زیرِ غضب رہی۔ اور در بدر کی خاک پھانکنے کے باوجود مایوس نہیں ہوئی تو بڑی عجیب بات ہو گی اگر اہلِ اسلام عربوں کی اس عارضی شکست سے مایوس اور بددل ہو جائیں۔ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے "تکوینی" ابتلاء ہے۔ آخر پیغمبروں پر بھی تو ایسے نازک حالات آتے رہے ہیں، کہ انہیں جھنجوڑا جاتا، وہ گھبرا اٹھتے، اور بعض وقت طولِ ابتلاء کی وجہ سے رسول اور اس کے ساتھ پکار اٹھتے، متی نصر اللہ۔ (اللہ کی مدد کب ہو گی؟) انہیں تسلی دی جاتی: الا ان نصر اللہ قریب۔ (رکھو اللہ کی مدد بالکل نزدیک ہے۔)

اسی طرح یہ (خونریزی) واقعی بڑا سخت ہے۔ اور یہ سخت ترین آزمائش کا وقت ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو صبر و استقلال، عزم و ہمت اور خودشناسی سے کام لینا چاہیئے، یہ سرِالٰہی اور خدائی بھید اپنے وقت پر کھلے گا۔ مسلمانوں کو ان لوگوں کی مثل نہ ہونا چاہیئے۔

بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ۔

بلکہ انہوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جس کا نہ انہیں پورا علم تھا نہ اس کا سامنے آیا تھا۔

دوسری بات یہ کہ مسلمان کو خود اپنی حالت کا بھی جائزہ لینا چاہیئے۔ "غزوہ احد" میں شکست کے بعد بعض مسلمانوں کو تعجب ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو شکست کیونکر ہو گئی؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے تو نبی نے جہاد کیا تھا، قرآن حکیم نے اس تعجب آمیز سوال کا کیا خوب جواب دیا:

قلتم انی ھذا۔ قل ھو من عند انفسکم۔

تم نے کہا یہ کیونکر ہو گیا؟ اے نبی کہہ دیجئے، یہ سب کچھ تمہاری اپنی بدولت ہوا۔

اسی طرح حالیہ شکست بھی مسلمانوں ۔ بالخصوص عربوں کے شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے ، اسی دنیا میں قانونِ الٰہی یہ ہے :

من کان یرید العاجلة عجلنا له فیھا ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا له جھنم یصلٰھا مذموماً مدحورا ہ ومن اراد الآخرة وسعٰی لھا سعیھا وھو مومن فاولٰئک کان سعیھم مشکورا ہ کلاً نمد ھٰؤلاء وھٰؤلاء من عطاء ربک ، وما کان عطاء ربک محظورا ہ

جو دنیا چاہتا ہے ۔ ہم اسے یہیں دیدیتے ہیں ۔ (مگر مطلقاً نہیں بلکہ) جتنا چاہیں جس کو دینا چاہیں پھر ہم نے اس کے لئے جہنم مقرر کر رکھی ہے جس میں ذلیل و خوار ہو کے داخل ہوگا ۔ اور جو آخرت چاہتا ہے اور اس کے لئے محنت کرتا ہے ۔ جیسی محنت چاہئے ۔ بشرطیکہ وہ مومن ہو پس یہی لوگ ہیں جن کی محنت قابلِ قدر ہے ۔ ہم سبھی کی مدد کرتے ہیں ۔ ان کی بھی اور ان کی بھی ۔ اور تیرے رب کی عطا کسی سے بندکی ہوئی نہیں (جو جیسی محنت کرے گا ، ویسا نتیجہ اسے مل جائے گا ۔)

آخر اس پر بھی تو غور کرنا چاہئے کہ یہودی بیس برس سے شب و روز ہر طرح کا جدید اسلحہ ، ہولناک بموں ، اور میزائیلوں کا ذخیرہ جمع کرنے میں مصروف تھے ، سائنس میں تو وہ پہلے ہی سے بہت زیادہ بڑھے ہوئے تھے ۔ ایٹم بم خود ایک یہودی آئین سٹائن کی ایجاد ہے ۔ اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالٰے نے عربوں کو تیل کا بے انتہا ذخیرہ عطا فرمایا ، اگر وہ چاہتے تو اعدوا لھم ما استطعتم من قوة پر عمل کرتے ہوئے ۔ اس بیکراں مال و دولت سے اسلحہ ، ٹینک اور طیارہ سازی کے کارخانے قائم کر سکتے تھے ۔ بلکہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تیار کر سکتے تھے ، لیکن ان کی تمام تر طاقت و قوت اور بے پایاں دولت و ثروت کہاں صرف ہوئی ؟ یا تو بیروت ، پیرس ، لندن اور نیویارک کے ہوٹلوں میں دادِ عیش و عشرت دینے میں ، یا امریکہ سے لاکھوں کی تعداد میں لمبی لمبی ، نئی نئی خوب صورت موٹریں اور کاریں برآمد کرنے میں یا یورپ سے حسینوں کی درآمد کر کے انہیں لونڈیوں کا نام دے کر ان سے بلا نکاح تمتع حاصل کرنے میں ، یا ایک دوسرے کو بدنام کرنے ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا کرنے ، انقلاب لانے اور سازشیں کرنے میں ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

کیا یہ صحیح نہیں ۔ کہ ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنے میں کروڑوں ڈالر صرف کئے گئے ، شام میں [illegible] کے اندر اندر پانچ مرتبہ فوجی انقلاب برپا ہوا ، اور جنگ سے صرف دو دن پہلے اردن [illegible] کی جانب سے بم پھینکنے کے لئے آدمی بھیجے گئے ۔ اللہ تعالٰی کے نام پر جہاد کرتا جا اور اسلام

کا نام لینا رجعت پسندی اور قدامت پرستی بتلایا گیا، کیا عین جنگ شروع ہونے کے وقت بھی شام کے تمام علماء جیلوں میں نہیں سڑ رہے تھے کیا۔ "معروف شام اتحاد" کو توڑنے کے لئے ۱۲ کروڑ ریال کی رشوت نہیں چلی۔؟

الغرض یہ قصہ طویل بھی ہے اور دردناک بھی۔ اور اس آفت سے محفوظ کوئی بھی عرب ملک نہیں تھا تمام عرب طاقتوں نے ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کی اسی حالت میں جنگ شروع ہوئی۔ اور جنگ شروع ہونے سے ایک دن پہلے اتحاد ہوا۔ بدقسمتی سے عمل تعاون کا موقع اس میں بھی میسر نہ آیا۔ گویا یہ اتحاد بھی محض لفظی اور زبانی سا رہ گیا۔

ان ممالک عربیہ میں دین کی تحریف اور اسلام کو "ماڈرن" بنانے کے لئے جو کچھ کیا گیا، وہ تو یقیناً 'یہودی تحریف سے کچھ زیادہ ہی ہوگا۔ ان تمام دردناک حالات، جن کا تذکرہ بھی یقیناً دل خراش ہے کے پیش نظر یہ کہنا کیا بیجا ہوگا کہ: ھومن عند انفسکم (یہ سب کچھ تمہاری بداعمالیوں کا خمیازہ ہے)

بہرحال اس تمام دراز نفسی سے مقصود ان عربوں پر جرح و تنقید نہیں بلکہ ان حقائق کا تجزیہ تھا جو اس شکست کا باعث ہوئے۔ اب بھی موقع ہے کہ: "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً" (سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑیں۔) عرب قومیت کی منحوس جنگ نے انہیں جس نوبت تک پہنچا دیا۔ اس سے سبق حاصل کریں۔ نجد و عراق، کویت اور دیگر ممالک عربیہ کے وسائل بالخصوص پٹرول کی دولت اسلحہ سازی پر خرچ کریں۔ انگریز لعین نے ایک سلطنت (خلافت آل عثمان) کو ۱۲ ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ عرب دشمنوں کے اشاروں پر فوراً لامرکزیت کا شکار ہو کر چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں بٹ گئے۔ یوں ہر ایک نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائی۔ یہی پراگندگی اسرائیلی جارحیت کے لئے ممد و معاون ثابت ہوئی۔

لے یہ علماء کرام غالباً اب بھی زندان خانہ ہی کی تاریکی میں اپنی قوم کی سیاہ بختی پر ماتم کر رہے ہوں گے۔ کہنا چاہیئے کہ عرب قوم یہود سے اسی دن شکست کھا گئی تھی جبکہ منبر و محراب پر الجہاد و الجہاد کی نفیر عام سے قوم کو بیدار کرنے والے علماء کو نذر زندان کر دیا گیا۔ کسی قوم کی پہلی بدقسمتی یہ ہوتی ہے۔ کہ اللہ کے مقبول بندوں کے وجود اور ان کے انفاس قدسیہ سے وہ اپنے آپ کو محروم کر لیتی ہے۔

یہود کا ذکر قرآنِ کریم میں

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مدظلہٗ مردان
مدرس دارالعلوم حقانیہ

چند شبہات کا ازالہ

مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں پر یہود کی طرف سے جو مصیبتِ عظمیٰ آپڑی ہے۔ اس سے غیر مسلم اقوام کو مسلمانوں کا مذاق اور تمسخر اڑانے کا موقع مل گیا ہے۔ اور طعنہ دینے کا سامان بہم پہنچا ہے۔ کہ مٹھی بھر یہودیوں نے تیرہ کروڑ مسلمانوں کو شکستِ فاش دیدی۔ حالانکہ یہ قوم دنیا بھر میں خصوصاً مسلمانوں کے نزدیک ذلیل ترین ہے۔ نہ تو مسلمانوں کو عظیم کثرت نے شکست سے بچایا اور نہ امدادِ غیبی ان کے شاملِ حال ہوئی جس کا مسلمان عموماً دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ نصرتِ خداوندی ہمیشہ ہماری شاملِ حال رہتی ہے۔ اسی طرح اس سے بعض اذہان میں وسوسہ پیدا ہوگیا ہے۔ کہ یہود کی حکومت اور غلبہ اور عزت قرآنی نصوص کے خلاف ہے۔ مثلاً آیت: ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ۔ (البقرہ) ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ۔ (آلِ عمران) ۔ یا۔ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ۔ (الاعراف)

تو یہود کی موجودہ عزت اور حکومت بلکہ مسلمانوں پر تسلط کیسے وقوع میں آیا۔ اور نصرتِ خداوندی کا وعدہ (وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ) کیوں وقوع پذیر نہ ہوا۔؟ یہ تمام شبہات زیادہ تر قلتِ تدبر اور سوءِ فہم پر مبنی ہیں۔ یہاں اس کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ امدادِ غیبی کا وعدہ مشروط ہے۔ ایمان و اطاعت اور عہدِ وفاداری پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے اور اشاعتِ دین کی جدوجہد کرنے پر: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ـــــ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ـــــ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔

وکان حقا علینا نصر المومنین۔ آیات مذکورہ بالا اور اسی قسم کے دوسرے بے شمار نصوص، آیات اور احادیث امداد و نصرت خداوندی کی بنیادی شرائط پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ بغاوت اور اطاعت سے انحراف اور عام بے عملی فسق و فجور کے ارتکاب شعائر اسلام کی بے حرمتی کی صورت میں عذاب اور تباہی کے مستحق بننے کی وعیدیں بھی وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً:۔

۱۔ واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ۔	اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر۔
۲۔ وما کان ربک لیھلک القرٰی واھلھا مصلحون۔	تیرے پروردگار کی شان نہیں کہ بستیوں کو تباہ کرے حالانکہ ان کے بسنے والے نیک کردار ہوں۔
۳۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔	اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔
۴۔ واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرناھا تدمیرا۔	اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو حکم بھیجا اس کے عیش کرنے والوں کو پھر انہوں نے نافرمانی کی اس میں تب ثابت ہوگئی ان پر بات۔ پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اٹھا کر۔

عصر حاضر کے مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر عہد و پیمان توڑ کر عام بغاوت اور بے عملی کا ارتکاب شروع کر دیا ہے۔ کوئی عیب ایسا نہیں جو ان میں نہیں پایا جاتا۔ دنیا میں کوئی حکومت مسلمانوں کی ایسی نہیں جس میں اسلامی احکام پورے طور پر نافذ ہوں۔ اکثریت پر مغربیت اور دہریت مسلط ہے۔ اسلام کی سیاست مدنی، تدبیر منزل، تہذیب اخلاق۔ معاملات، عبادات، معاشرات، ایمانیات سے عام ناواقفی بلکہ اسلامی اصول حیات کو "ملائیت" اور "رجعت پسندی" کہہ کر بنظر حقارت دیکھنے لگے۔ تو نصرت خداوندی سے محروم ہو کر وعید الٰہی کو بزبان حال دعوت دینے لگے۔ چنانچہ نتیجہ میں اپنے کردار کے عواقب برداشت کرنے لگے۔ اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی زبانی کی تھی حرف بحرف واقع ہو کر رہی۔ چنانچہ فرمایا ہے:

۱۔ یوشک ان تداعی علیکم الامم کما تداعی الاکلۃ علی القصعۃ فقال قائل ومن قلۃ نحن یومئذ قال	عنقریب متعدد اقوام تمہارے کھانے اور ختم کرنے کے لئے ایک دوسرے کو دعوت دیں گے جس طرح کھانے والوں کے کاسے میں رکھے

انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المھابۃ ولیقذفن فی قلوبکم الوھن قال قائل یارسول اللہ صلعم ما الوھن قال حب الدنیا و کراھیۃ الموت۔ (مشکوٰۃ)

ہوتے طعام کے لئے ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ کیا ہم اسوقت قلت میں ہوں گے۔ فرمایا نہیں تم اسوقت بہت زیادہ ہوگے لیکن تمہاری حالت اس وقت مانند سیلاب کی جھاگ کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا۔ اور تمہارے دلوں میں ضعف پیدا کر دے گا۔ یعنی دنیا کی محبت اور موت کی ناگواری۔ (لفظ امم کے عموم میں یہود بھی شامل ہیں)

۲۔ عن ابی سعید قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب لتبعتموھم قیل یارسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن؟ (مشکوٰۃ)

تم ضرور امم سابقہ کے طور طریقوں پر چلتے رہو گے بالشت بالشت دست بدست (یعنی برابر کے برابر بلا فرق) یہاں تک کہ اگر وہ داخل ہوئے ہوں سانڈے کے سوراخ میں تم بھی ان کا اتباع کرو گے۔

۳۔ عن المرداس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذھب الصالحون الاول فالاول و تبقی حفالۃ کحفالۃ الشعیر لایبالیھم اللہ بالۃ۔ (مشکوٰۃ)

اچھے لوگ ختم ہو جاویں گے یکے بعد دیگرے اور وہ جاویں گے۔ ایسے لوگ جنکی کوئی حیثیت نہ ہو بے قدر ہوں مانند جو کے بھوسے کے اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہ کریگا یعنی جس طرف سے ان پر مصیبت پڑ جائے کوئی امداد نہ فرما دے گا۔ نہ فریاد کی شنوائی ہوگی۔

قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد مسلمانوں کے ہر دور کی تاریخ اور ان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی کے حالات کا مطالعہ کر کے ان آیات و احادیث وعدو وعید کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے تو یہ شبہ کبھی پیدا نہیں ہو سکتا کہ امت مسلمہ کے ساتھ وعدو مواعید میں کوئی فرق آیا ہے۔ یا ان کو نا کردہ گناہوں کی سزا ملی ہے۔ وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔ خدا کی شان یہ نہیں کہ ان پر ظلم کرے لیکن وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں یہود کی موجودہ دور میں عارضی حکومت اور وقتی تفوق جسکو قرآنی نصوص کے خلاف سمجھا جا رہا ہے۔ تو اس غلط فہمی کے ازالہ کیلئے چند معروضات پیش کرنا ضروری ہے۔

۱۔ عالم اسباب میں حدثات کا اجتماع اور حوادث کا تعاقب محض بخت و اتفاق کی بنا پر

نہیں بلکہ خالق کائنات نے ان کے درمیان باہمی ارتباط اور تعلق پیدا کر کے بعض کو اسباب اور بعض کو مسببات قرار دیا ہے۔ اسباب مہیا اور موجود ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عادات کے مطابق مسببات ان پر مرتب ہو کر وجود میں آتے ہیں۔

۲۔ تحقق اسباب کے بعد ترتیب مسببات لزوماً ہوتا ہے۔ اس کا تخلف نہیں ہوتا الّا نادراً جسکو خرق عادت یا خلاف عادت الٰہیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً سورج کے طلوع کے بعد دن مزود وجود میں آتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ سورج طلوع ہو کر رات قائم ہو جاتی ہے۔ مہلک مقدار میں زہر کھانے کے بعد موت طاری ہو جاتی ہے، چاہے حکیم کھائے چاہے جاہل۔ پانی پینے اور کھانا کھانے کے بعد پیاس بھوک کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ یہ ظاہر اور بدیہی امور ہیں۔

۳۔ اقوام کے عروج و زوال اور آزادی و غلامی کیلئے بھی اسباب ہوتے ہیں۔ مانند دوسرے حوادث کے یہ اسباب دو قسم کے ہیں۔ ۱۔ سماوی یعنی امداد غیبی اور ۲۔ مادی یعنی عادی اسباب۔ قسم اول کے متعلق پہلے عرض کیا گیا کہ وہ مشروط بالایمان والطاعۃ ہیں۔ ہاں کبھی قانون مجازات کے مطابق کافروں کو دوسرے کافروں یا مسلمانوں پر مسلط کر لیتا ہے۔ کما قال تعالیٰ منذیق بعضہم بأس بعض اور ہم چکھاتے ہیں بعض کو دوسروں کی شدت۔ جیسا کہ یہودیوں پر جالوت، بخت نصر طیطوس رومی اور ہٹلر وغیرہ کو مسلط کرا دیا۔ اور مسلمانوں پر سزائے جرم کی پاداش میں یا تنبیہہ اور عبرت حاصل کرنے کے لئے مختلف ادوار میں نصاریٰ یا تاتاری وغیرہ کا تسلط ہوا۔

۴۔ مادی اسباب۔ عروج و آزادی کے عادی اسباب جب کوئی قوم پورے طور پر مہیا کرے (مثلاً اتفاق باہمی، مواساۃ، قربانی راعی و رعایا میں تعاون، طاعت اور اعتماد، مدافعت اور تسلط کے لئے مطابق زمانہ ہر نوع اسلحہ کی فراہمی، جفاکشی، ایثار یعنی سیاست مدنی و ملکی کیلئے شریعت مصطفویہ نے بہ تفصیل تمام جو چیزیں بیان کی ہیں) تو حکومت اور غلبہ حاصل ہوگا۔ کفر اس کے لئے مانع ہوگا۔ آجکل امریکہ اور روس کو جو فوقیت حاصل ہے، وہ انہی اسباب مادیہ کی بنا پر ہے نہ کہ وہ کلمہ گو ہیں۔

۵۔ کسی قوم کو آزاد یا غلام حاکم یا محکوم کہنا کہ فلاں قوم آزاد یا حکمران ہے۔ من حیث القوم باعتبار مجموعہ افراد یا اکثریت کے کہا جا سکتا ہے۔ اگر کسی قوم کے کروڑوں افراد میں سے صد ہزار یا لاکھ کسی گوشہ میں حاکمیت اور آزادی حاصل کریں۔ تو اس بنا پر قوم من حیث القوم کو آزاد یا حکمران اور باعزت نہیں کہا جا سکتا۔

۶۔ اسی طرح اگر ... کے اندر کسی قوم کو عارضی طور پر چند سال کیلئے حکومت ملے

تو عارضی حکومت چند روزہ کالعدم قرار پاکر مجموعہ یا اکثر اجزائے زمانہ کے اعتبار سے ۔ ان کو ذلیل وغلام کہا جاوے گا۔ چنانچہ احادیث سے صراحتہً ثابت ہے۔ کہ دجال یہودی کو عام دنیا پر سوائے حرمین شریفین کی پوری حکومت حاصل ہوگی۔ اس کے باوجود وہ ضربت علیہم الذلۃ کے مصداق ہیں۔

۷۔ اگر کوئی قوم دینی آزادی اور حکمرانی غلبہ میں مستقل ہو۔ کسی دوسری قوم کی دست نگر نہ ہو۔ تو ان کی طرف اقتدار آزادی اور حکومت کی نسبت حقیقتہً صحیح ہوگی۔ اور اگر کسی دوسری قوم کے لئے آلۂ کار ہو۔ اور ان کی تمام طاقت دوسری قوم کے اغراض اور سیاسی مقاصد کی تکمیل کیلئے ہو۔ تو اسی قوم کیطرف حکومت اور تسلیط کی نسبت حقیقتہً صحیح نہ ہوگی۔ بلکہ حاکمیت اور تسلط اس دوسری قوم کے لئے ہے جس قوم کی آلۂ کار اور غلام ہے۔

اس تمہید کے بعد موجودہ دور میں ان سامراج کی ایجنسیوں یعنی یہود کی حکومت اور غلبہ اور اس کے وجود میں آنے کے عوامل ومبادی پر غور کرنا چاہیئے تاکہ اسکی حقیقت اچھی طرح سے بے نقاب ہوکر کسی شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اگرچہ سابقہ معروضات بھی ازالۂ شبہ کے لئے اجمالاً کافی ہیں۔

۱۹۴۰ء کی جنگ عظیم میں جبکہ ان مغضوب علیہم پر قدرت کیطرف سے ہٹلر مجسم تازیانۂ غضب بن کر مسلط ہوا۔ تو اس نے ممالک مفتوحہ میں حکم جاری کیا کہ جس یہودی کو جان بچانا منظور ہو، وہ ان ملکوں سے اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر نکل جائے ورنہ اسکی جان کی خیر نہ ہوگی۔ جرمنی کے سقوط سے پہلے جتنے یہود نکل گئے وہ جان بچانے میں کامیاب ہوئے، جو نہ نکل سکے ان سب کو قید کرکے کسی کو زندہ جلادیا اور کسی کو سمندر میں ڈبو دیا۔ اور اکثر قتل کر دیئے گئے۔ یہ داستان کسی پر مخفی نہیں۔ بچنے والے جو کثیر تعداد میں مختلف ممالک میں منتشر ہوئے تھے، سامراجیوں نے ان کو اپنے سیاسی مقاصد کیلئے آلۂ کار بناکر عرب کے قلب لینے کے لئے فلسطین میں لاکر بسایا۔ اور فلسطینیوں کو جلاوطن کر دیا۔ عرب ممالک اپنی کمزوری اور بے اتفاقی کی بناپر دیکھتے رہے اور کچھ نہ کرسکے۔ ابتدا میں تھوڑی مقدار میں آئے۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد بڑھتی رہی، اور سامراجیوں نے بیس سال کے اندر ان کو طاقتور بنانے اور سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے لئے انہیں پھر امداد دی۔ مدافعت اور جارحیت کیلئے انہیں ہر قسم کے جدید اسلحہ سے پوری طرح مسلح کر دیا۔ کامیاب اجتماعی زندگی کیلئے جن ذرائع اور وسائل کی ضرورت تھی سب کو پورا کر دیا۔ یہود جو قریبی مدت میں انتہائی مظالم ومصائب برداشت کرچکے تھے، موقع کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانے لگے۔ اور باہمی اتفاق [illegible] قربانی جفاکشی تنظیم مال اور

سے گریز۔ غرض معاشرہ اور رعیت کی اصلاح اور کامیابی کے لئے جو اخلاقی اور مادی کارنامے درکار تھے، ان کی تحصیل میں ہمہ تن لگ گئے۔ اب قانون ربط اسباب بالمسببات کی رُو سے ان کو حکومت اور طاقت حاصل ہونا مطابق عدد تھا۔ اور عرب شریف پر جو بے اتفاقی، بیداری عیاشی عام بے عملی اور احکام خداوندی سے بغاوت کے شکار ہوئے تھے۔ ان کا غالب ہونا غیر متوقع نہ تھا۔ اور عجب نہیں کہ قدرت کو ان ذلیل ترین یہودیوں کے ہاتھ مطابق قانون مجازات کے عرب کو بالخصوص اور عام مسلمانوں کو بالعموم تنبیہ اور تازیانہ عبرت منظور ہو۔ بلکہ ظاہر یہی ہے۔

وما كان ربك ليهلك القرى واهلها مصلحون - تیرے پروردگار کی یہ شان نہیں کہ بستیوں کو تباہ کر دے۔ اور اس کے بسنے والے نیک کردار ہوں۔ آج امریکہ اور اسکی ہمنوا طاقتوں کے علاوہ ساری دنیا کہہ رہی ہے۔ کہ یہ یہود سامراجیوں کے پروردہ کہتے ہیں۔ اور انہوں نے انہیں اپنی سیاسی اغراض کے لئے عربوں پر مسلط کیا ہے۔ ورنہ ان کی کوئی پوزیشن نہیں۔ اس روشن حقیقت کے بعد کوئی عاقل اس حکومت اور طاقت کو ان کیطرف حقیقۃً منسوب نہیں کر سکتا، بلکہ یہ ساری حکومت اور طاقت سامراجیوں کی ہے۔ یہودی ان کے غلام بن کر حق غلامی ادا کر رہے ہیں۔ یہود کی موجودہ حکومت کو پیش نظر رکھ کر حسب ذیل آیت سراپا صداقت کے معنی پر غور کرکے معلوم ہو جائے گا کہ یہ اسکی تصدیق ہے۔ نہ کہ خلاف۔ کجا کہ اس پر شبہ کیا جاوے۔

ضربت عليهم الذلة اينما ثقفوا الا بحبل من الله وحبل من الناس ۔ الآية
ماری گئی ان پر ذلت جہاں دیکھے جاویں سوائے دستاویز اللہ کے اور دستاویز لوگوں کے قرآن کریم کی صداقت غیر متزلزل ہے کسی شبہ کی اس میں گنجائش نہیں قصور ہمارے فہم کا ہے۔

لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد ۔
نہیں آسکتا اس کو جھوٹ اور باطل سامنے نہ پیچھے سے نازل کی گئی ہے حکمت والے اور ستائش کئے گئے قدرت کیطرف سے۔

اسی قسم کی آیت آل عمران کی آیت سے پہلے یہود کے تذکرہ میں سورۃ بقرہ میں بھی وارد ہوئی۔ وضربت عليهم الذلة والمسكنة وباءو بغضب من الله ذالك بانهم كانوا يكفرون بآيات الله ويقتلون النبيين بغير الحق ذالك بما عصوا وكانوا يعتدون ۔ ترجمہ مار دی گئی ان پر ذلت اور پستی اور مستحق ہوگئے غضب الٰہی کے یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے

تھے احکام الٰہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق اور یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور عقل و شرع کے دائرہ سے نکل جاتے تھے۔

۱۔ یہاں اینما ثقفوا کی قید نہیں اور نہ استثناء ہے۔ لیکن القرآن یفسر بعضہ بعضاً کی بنا پر دونوں یہاں بھی مراد ہیں۔ آل عمران کی آیت اگرچہ اہل کتاب کے تذکرہ میں آئی ہے۔ لیکن مراد اس سے خاص یہود ہیں بدلیل سیاق۔

۲۔ ذلت خلاف عزت و قوۃ کو کہتے ہیں۔ جس میں جان و مال کا غیر معصوم ہونا اور محکومیت و غلامی شامل ہیں۔ مسکنت بمعنے ضعف و فقر اور پستی کے ہے۔ اور الا بحبل استثناء ہے عموم احوال سے یعنی فی عامۃ الاحوال الا معتصمین بحبل من اللہ ومتلبسین بذمتہ (بیضاوی)

۳۔ حبل متعدد معانی میں مستعمل ہے۔ کتاب اللہ۔ حدیث میں ہے کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض علیکم بحبل اللہ ای کتابہ۔ حبل بمعنے عہد و میثاق۔ حبل بمعنے ذمہ و امان کے۔ بمعنے دین اور سبب کے (مجمع البحار) یہاں حبل اللہ سے ہر ایک معنی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اور حبل من الناس سے صرف ذمہ اور امان یعنی عہد و پیمان مراد ہیں۔ یعنی ضربت علیہم الذلۃ اینما ثقفوا فی عامۃ الاحوال الا معتصمین او متلبسین بکتاب اللہ ودینہ وذمتہ وعہدہ او بعہدہ او بعہد وذمتہ وامان من الناس۔ ترجمہ:۔ جمادی گئی ہے ان پر ذلت جہاں بھی پائے جاویں ہر حال میں الا انکہ اعتصام بکتاب اللہ اور بدین اللہ کریں۔ اس کے ذمہ امان اور عہد میں داخل ہو جائیں (جسکا حاصل اسلام میں داخل ہونا ہے) یا لوگوں کے ذمہ دامان عہد میں داخل ہو جائیں۔ یعنی مسلمانوں کیساتھ مصالحت ہو یا جزیہ قبول کر کے ذمی بن جاویں۔ یا کسی دوسری قوم کے عہد و ذمہ اور امان میں داخل ہوں۔ یعنی نصاریٰ۔ یہاں لفظ ناس عام ہے۔ نصاریٰ کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ آیت وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ (آل عمران) میں وعدہ ہے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کہ تیرے متبعین کو قیامت تک یہود پر فوقیت حاصل ہوگی۔ اور اتباع سے مراد اس کے ساتھ اعتقاد نبوت ہے۔ اور اس میں مسلمان نصاریٰ دونوں شریک ہیں۔ اور واقعات بھی اس کے شاہد ہیں۔ کہ یہود ہمیشہ کے لئے مسلمان یا نصاریٰ کے محکوم آئے ہیں۔ اور اس وقت بھی یہی حال ہے۔ کہ ساری دنیا میں یہود دوسری اقوام کے زیر اثر و محکومت ہیں۔ قرآن کریم نے اس ذلت و پستی کی جو علت بیان کی ہے۔ قتل انبیاء علیہم السلام، حدود شرع و عقل سے تجاوز، نافرمانی۔ انکار آیات۔ دفائت طبع کی بناپر نعمتوں کی ناشکری اور

نفیس کو خسیس اشیاء سے استبدال، انبیاء کی سرکردگی میں جہاد سے انکار وغیرہ۔ قبائح انکار اثرِ لازم ذلت و مسکنت ہے ———— ہاں کبھی دنی اور شریر بالطبع مجازات و مکافات سے تنگ آکر عارضی اور وقتی طور پر راہ راست پر آجاتا ہے۔ جیسا کہ یہود نے بھی عمالقہ کے پے در پے قتل و غارتگری سے تنگ آکر اپنے نبیؑ سے بادشاہ کا مطالبہ کیا۔ تاکہ اسکی سرکردگی میں جہاد کرکے شاید کامیاب ہوکر کچھ اطمینان کا سانس لیں ——— اذقالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ۔ مگر بادشاہ طالوت کے تقرر پر بھی شرارت سے باز نہ آئے۔ اور پھر بھی کثیر تعداد میں قتال سے کر بیٹھے۔ الحاصل یہود کا موجودہ غلبہ بحبل من الناس کا مصداق ہے۔ اس طرح سطحی اذہان میں

آیت : واذ تاذن ربک لیبعثن علیھم الی یوم القیامۃ من یسومھم سوء العذاب ———

ترجمہ : اور اس وقت کو یاد کرو جب خبر دی تھی تیرے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہوں گا یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو کہ دیا کرے ان کو برا عذاب ———— سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں یہود کی قیامت تک مقہوریت اور محکومیت کا اعلان کیا گیا ہے۔ حالانکہ موجودہ وقت میں وہ قاہر و حاکم ہیں۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے معروض ہے کافی ہے۔ لیکن مزید وضاحت کیلئے آیت کی تفسیر مناسب ہوگی۔ یہ آیت سورہ اعراف کی ہے جو یہود کے تذکرہ میں وارد ہے۔ اس سے اوپر کی آیات میں یہود کے قبائح اور شرارتوں کا بیان ہوا ہے۔ آگے اس آیت میں انکے قبائح کا دنیا میں علاوہ سزائے آخرت کے انجام بد مذکور ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے پختہ اعلان کر دیا گیا تھا۔ کہ اگر یہود احکام تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ تو حق تعالیٰ قرب قیامت تک وقتاً فوقتاً ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا، جو ان کو برے عذاب میں مبتلا رکھیں۔ برا عذاب یہاں محکومانہ زندگی، جان و مال کا غیر معصوم ہونا جزیہ دینا وغیرہ ہے۔ چنانچہ قوم یہود سلیمان علیہ السلام کے بعد کبھی یونانی کبھی کلدانی بادشاہوں کے زیر حکومت رہی ہے۔ کبھی بخت نصر اور رومیوں کے ستداند کا تختہ مشق بنی۔ آخر میں نبی کریم صلعم کے عہد مبارک تک مجوسوں کی باجگذار رہی پھر مسلمان حکمرانوں کو ان پر مسلط کر دیا گیا۔ غرض اس وقت سے آج تک انکو من حیث القوم عزت اور آزادی کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جہاں کہیں رہے اکثر ملوک و حکام کیطرف سے سخت ذلت اور خطرناک تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ ان کی مال و دولت وغیرہ کوئی چیز انہیں اس غلامی و محکومیت کی لعنت سے نجات نہ دے سکی۔ ابھی مشرق وسطی کی لڑائی میں جب یہود نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا، تو ان کے وزیر اشکول نے مسجد اقصی میں داخل ہو کر قوم

کے سامنے تقریر کرتے ہوئے خود اعتراف کیا کہ تین ہزار سال کے بعد ہمکو بیت المقدس میں داخلہ نصیب ہوا۔ اس عرصہ دراز میں ہماری قوم نے نہایت سخت مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ اور در بدر کی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ سورۃ ابراہیمؑ میں بنی اسرائیل کے تذکرہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کا خطاب اپنی قوم کو نقل فرمایا ہے۔ جو کہ مذکورہ بالا آیت کے مضمون کیطرف اشارہ کرتا ہے۔ اور موسیٰؑ نے اپنی قوم سے واذتاذّن ربکم لئن شکرتم لازیدنکم۔ فرمایا کہ وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان فرمایا۔ ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔ کہ اگر احسان مانوگے اور زیادہ نعمتیں ملیں گی۔ اور اگر ناشکری کروگے تو میرا عذاب البتہ سخت۔ یعنی موجودہ نعمتیں تم سے سلب کرلی جائیں گی۔ اور ناشکری کی مزید سزا ملیگی۔ خدا کی ناشکری اسکی روحانی اور جسمانی نعمتوں کی بے قدری اور نازل کردہ احکام کی نافرمانی ہے۔

تو اسی آیت اور آیت مذکورہ بالا کی ساق سے واضح ہے کہ محکومیت اور غلامی کی سزا انکی نافرمانی اور ناشکری کی پاداش میں ہے۔ اور قرب قیامت کی قید اسلئے لگادی گئی ہے کہ روایات صریحہ سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں دجال یہودی چند روزہ حکومت کرے گا۔ لیکن یہ چند روزہ حکومت کو عرصہ دراز کی غلامی کی بہ نسبت کالعدم قرار دیکر الی یوم القیامۃ کہاگیا۔ اسی طرح اس عرصہ دراز کے درمیان میں بھی ایسا معمولی وقفہ آیا ہے۔ ثم رددنا لکم الکرۃ علیہم وامددناکم باموال وبنین وجعلناکم اکثر نفیرا۔ پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری ان پر اور قوت دی تم کو مال سے اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کردیا تمہارا لشکر۔ بابل کا گورنر بخت نصر نے یہود پر مسلط ہوکر انکو تباہ وقتل عام وقید کردیا تھا۔ تقریباً سو سال کے بعد بہمن بن اسفندیار نے یہود پر رحم کھاکر ان کے قیدیوں کو آزاد کرکے ان پر دانیالؑ کو بادشاہ مقرر کیا۔ اور چند روزہ آزادی انکو حاصل ہوئی۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد رومیوں کے ہاتھ سے انکی تباہی ہوئی اور آزادی سلب ہوگئی تو اس معمولی وقفہ آزادی کی نسبت تین ہزار سال بلکہ اس سے بھی زائد زمانہ غلامی کیطرف کچھ بھی نہیں۔ اسی کو استغراق اور استیعاب عرفی کہتے ہیں۔ خطابات اور محاورات میں یہی استیعاب اور استغراق کمل ہے۔ اسکی مثالیں بکثرت ہیں۔ مثلاً حدیث لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق حتی یاتی امر اللہ۔ یعنی قیامت برپا نہ ہوگی۔ یہاں تک کوئی دنیا میں اللہ اللہ کہنے والا ہے۔ لیکن یہ عرصہ چونکہ بہ نسبت زمانہ ظہور حق بہت کم ہے۔ اس لئے اسکو کالعدم قرار دیکر حتی یاتی امر اللہ یعنی قیامت تک کہہ دیا گیا ——— لہٰذا یہود کا یہ معمولی وقفہ آزادی آیت بالا کے عموم پر اثر انداز نہیں ہوسکتا ——— ۔

★

ترتیب :- استاد عبدالعزیز سید الاھل قاہرہ
ترجمہ :- ابن الحسین مولوی محمد اسلم مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔

دیوان الامام الشافعیؒ
ہمارا ثقافتی ورثہ

(حاسد کی عداوت)

کل العداوۃ قد ترجی مودتھا الا عداوۃ من عاداک عن حسد

ہر قسم کی دشمنی دوستی سے بدل سکتی ہے۔ مگر اس شخص کی دشمنی جو حسد کی بنا پر تجھ سے دشمنی کرے۔

یعنی حاسد کبھی اپنی دشمنی اور عداوت سے رجوع نہیں کر سکتا، کیونکہ اسکی دشمنی حسد کی بنا پر ہوتی ہے۔ اور حسد ایک لاعلاج مرض ہے۔ البتہ اس کے علاوہ ہر وہ عداوت جسکی بنیاد حسد پر نہ ہو کبھی نہ کبھی دوستی سے بدل سکتی ہے۔

تنبیہ :- باطنی اور روحانی امراض میں سے حسد ایسا مہلک مرض ہے۔ کہ اگر اسکا ازالہ نہ کیا جائے تو نہ یہ کہ اس سے انسان کی تمام نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں، بلکہ ایمان کو بھی ٹھیس پہنچتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، تمہاری طرف پہلی امتوں کی بیماری "بغض اور حسد" سرایت کر گئی ہے۔ اور یہ مرض مونڈ دینے والی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سر کو مونڈنے والی ہے، بلکہ ایمان کا صفایا کرنے والی ہے۔ العیاذ باللہ۔ مشکوٰۃ ص ۴۲۸

ایک دوسری حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے۔ جیسے آگ خشک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (حوالہ سابق)

حسد کا معنی یہ ہے کہ کسی کو نعمت اور خوشحالی میں دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھنا اور اس نعمت

اور خوشحالی کے زائل ہونے کی کوشش اور تمنا کرنا، حسد کے مقابلہ میں غبطہ کا لفظ آتا ہے۔ اور یہ جائز بلکہ مستحسن ہے۔ غبطہ کا معنی یہ ہے کہ کسی کو نعمت اور خوشحالی میں دیکھ کر تمنا اور دعا کرنا کہ یا اللہ جس طرح تو نے میرے فلاں بھائی کو اپنے انعام و اکرام سے نوازا ہے، مجھے بھی عطا فرما اور میرے بھائی کو مزید برکت اور ترقی عطا فرما۔

حسد اور اس کے علاوہ دوسرے اخلاق ذمیمہ کی تفصیل اور ان کے طریق علاج کے لئے امام غزالیؒ کے رسائل تبلیغ دین وغیرہ کا مطالعہ کرنا ازحد ضروری اور مفید ہے۔

(پڑوسی کے حقوق)

ایک شخص امام شافعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے کہا: اللہ آپ کو خیریت سے رکھے! آپ کا فلاں دوست بیمار ہے۔ امام شافعیؒ نے سن کر فرمایا: واللہ آپ نے مجھ پر احسان کیا اور مجھے ایک بہتر (اور مسنون) کام (یعنی عیادت) کے لئے بیدار کیا اور مجھ سے ایسے عذر کو دور کیا جس میں جھوٹ ملا ہوا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا: اے لڑکے میرا سبتی جوتا لاؤ ——— (سبتی وہ جوتا کہلاتا ہے جو ملائم اور رنگدار چمڑے سے بنایا گیا ہو۔) پھر فرمایا کہ پاؤں میں موچ آنے کے باوجود سخت دھوپ میں گرم زمین پر، بھوک اور پیاس کے ساتھ ننگے پاؤں چلنا، دوست کے سامنے ایسی معذرت کرنے سے آسان ہے جس میں جھوٹ کی ملاوٹ ہو۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھے:

ارى راحة للحق عند قضائه　　ويثقل يوما ان تركت على عمد

میں (صاحب حق کا) حق ادا کر کے راحت محسوس کرتا ہوں۔ اور اگر کسی دن جان بوجھ کر چھوڑ ہی دوں تو بڑی گرانی ہوتی ہے۔

وحسبك حظا ان ترى غير كاذب　　وقولك لم اعلم وذالك من الجهد

تیری خوشی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ تو جھوٹا نہ ہو اور تجھے یہ نہ کہنا پڑے " مجھے (آپکی بیماری کا) علم نہیں ہو سکا۔

ومن يقض حق الجار بعد ابن عمه　　وصاحبه الادنى على القرب والبعد

جو شخص قریب کے رشتہ دار اور قریبی رفیق کے بعد قرب و بعد کے درجات کے موافق پڑوسی کا حق ادا کریگا۔

يعش سيدا يستعذب الناس ذكره　　وان نابه حق اتوه على قصد

وہ شریفانہ زندگی بسر کرے گا، لوگ اس کے ذکر خیر کو پسند کریں گے، اور اگر

اسے کبھی کوئی مشکل آئے گی تو لوگ فوراً اسکی مدد کے لئے پہنچ گئے۔

(موت گھات میں ہے)

ومتعب العیش مرتاحاً الی بلد والموت یطلبہ من ذلک البلد

بہت سے تنگ حال آدمی کسب معاش کے لئے کسی شہر کا رخ کرتے ہیں۔ اور موت وہاں ان کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔

وضاحک والمنایا فوق مفرقتہ لو کان یعلم غیباً مات من کمد

بسا اوقات انسان ہنستا ہے۔ حالانکہ موت اس کے سر پہ کھڑی ہوتی ہے۔ اگر اسکو غیب کا (یعنی موت کا) علم ہوتا تو غم سے مرجاتا۔

من کان لم یؤت علماً فی بقاء غد ماذا تفکرہ فی رزق بعد غد

جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ کل زندہ رہے گا بھی یا نہیں، وہ کل کے رزق کی فکر میں کیوں مبتلا ہے۔

بعض دفعہ آدمی رزق کی تلاش میں کسی ملک یا شہر کا سفر کرتا ہے۔ اور بڑے بڑے عزائم لے کر جاتا ہے۔ مگر اسکو معلوم نہیں کہ وہ خود لقمۂ اجل بننے کے لئے جا رہا ہے۔ اور موت وہاں اسکی منتظر ہے۔ تیسرے شعر کا حاصل یہ ہے کہ انسان زندگی میں لمبی چوڑی امیدیں باندھ کر ہر قسم کی مشقتیں اور پریشانیاں برداشت کر کے خوب کماتا اور دنیا جمع کرتا ہے۔ حالانکہ سوچنے کی بات ہے کہ جس کو یہ بھی علم نہیں کہ وہ کل زندہ بھی رہے گا یا نہیں، تو وہ معاش کے فکر میں اس قدر کیوں منہمک اور مبتلا ہے۔

(امام شافعیؒ کا مقام و مرتبہ)

امام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

ولولا الشعر بالعلماء یزری لکنت الیوم اشعر من لبید

اگر شعر گوئی علماء کے لئے باعث عار نہ ہوتی، تو میں آج لبید سے بڑھ کر شاعر ہوتا۔

واشجع فی الوغی من کل لیث وآل مھلب وابی یزید

اور میں میدان کارزار میں شیر اور آل مھلب اور ابو یزید (وغیرہ تمام بہادر قبائل) سے زیادہ بہادر اور شجاع ہوں۔

ولولا خشیۃ الرحمٰن ربی حسبت الناس کلھم عبیدی

اگر مجھے رب رحمٰن کا ڈر نہ ہوتا، تو میں تمام لوگوں کو اپنا (زرخرید) غلام تصور کرتا

علامہ شعرانی نے اپنی کتاب "المنن" میں لکھا ہے کہ "الناس" سے امام شافعیؒ کی مراد دنیادار لوگ ہیں۔ جیسا کہ بعض عارفین کا مقولہ ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کو کہا کرتے تھے "انت عبد عبدی" تو میرے غلام کا غلام ہے۔ ان سے پوچھا گیا یہ کیسے؟ تو فرمایا: کیونکہ تم دنیا کے غلام ہو اور وہ ہمارے گھر کی لونڈی ہے۔

قافیۃ الراء

(صفۃ الجلیس)

اذا لم اجد خلا تقیا فوحدتی — الذ و اشھی من غوی اعاشرہ

میں جب نیک اور صالح آدمی کی صحبت حاصل نہیں کرسکتا، تو مجھے تنہائی جاہل آدمی کے ساتھ بیٹھنے سے زیادہ مرغوب اور پسندیدہ ہے۔

واجلس وحدی للسفاھۃ آمنا — اقر لعینی من جلیس احاذرہ

اور یہ بات کہ میں کم عقلی سے محفوظ رہنے کے لئے اکیلا بیٹھا رہوں، اس ہم نشین کے پاس بیٹھنے سے زیادہ خوش کن ہے جس سے مجھے اندیشہ ہو۔

(دوست اور دشمن)

امام رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کو بہت کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

ولیس کثیرا الف خل لواحد — وان عدوا واحدا لکثیر

اگر آدمی کے ہزار دوست ہوں تو زیادہ نہیں اور دشمن ایک ہی بہت ہے۔

یہ شعر امام رحمۃ اللہ علیہ کے صدق محبت اور حسن وفا پر دال ہے۔ اور یہ کہ آدمی کے دوستوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر اور دشمن کم سے کم ہونا اسکی سعادت اور نیک بختی ہے۔

(عظمت نفس)

امام شافعیؒ کبھی کبھی یہ شعر پڑھا کرتے تھے،

علی ثیاب لو یباع جمیعھا — بفلس لکان الفلس منھن اکثرا

میرے جسم پر ایسے کم قیمت کپڑے ہیں کہ اگر انکو ایک پیسے کے بدلے فروخت کیا جائے تو پیسے کی قیمت ان سے زیادہ ہوگی۔

وفیھن نفس لو تقاس ببعضھا — نفوس الوری کانت اجل واکبرا

اور (لیکن) ان میں ایسی شخصیت ملبوس ہے کہ اگر اس کے بعض حصہ کا تمام مخلوق

کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو یہ سب سے زیادہ جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہوگی۔

وما ضر نصل السیف اخلاق غمدہ اذا کان عضباً حیث وجہتہ بری

نیام کا پرانا ہونا عمدہ تلوار کے لئے عیب کی چیز نہیں جبکہ وہ تیز ہو کہ جس طرف تم اسے چلاؤ کاٹتی چلی جائے۔

مطلب یہ کہ انسانی شخصیت کی قدر و قیمت، لباس، مکان، روپیہ، پیسہ، اور ظاہری چیزوں سے نہیں بنتی۔ بلکہ علم و فہم، اخلاق و سیرت، کردار اور عمل انسان کی شخصیت کو بناتے ہیں۔ امام شافعیؒ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ اگر تم بڑے جسم کے کپڑوں کو دیکھو تو ان کی قیمت شاید ایک پیسہ بھی نہ ہو۔ لیکن ان ہی کپڑوں کے اندر چھپی ہوئی شخصیت شاید اپنے وقت کی تمام انسانیت پر بھاری ہے۔

تنبیہ :۔ شارح نے اس شعر کو مبالغہ پر محمول کیا ہے۔ لیکن ہمارے بیان کردہ مفہوم کے مطابق بلا مبالغہ یہ شعر امام شافعیؒ کی شخصیت کا پورا عکاس ہے۔

(جہنم کا خوف)

یامن یعانق دنیا لا بقاء لہا یمسی و یصبح فی دنیاہ سفارا

اے دنیا سے چمٹنے والے اس کے لئے بقا نہیں، تو صبح و شام دنیا ہی کے لئے تگ و دو میں رہتا ہے۔

ھلا ترکت لذی الدنیا معانقۃ حتی تعانق فی الفردوس ابکارا

تو دنیا والوں سے چمٹنے اور معانقہ کرنے کو کیوں ترک نہیں کرتا، تاکہ جنت الفردوس میں حوروں سے معانقہ کر سکے۔

ان کنت تبغی جنان الخلد تسکنہا فینبغی لک ان لا تأمن النارا

اگر تم ہمیشہ جنت میں رہنا چاہتے ہو تو پھر تمہیں جہنم سے بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔

(آرزوؤں کا اختلاف)

ومن الشقاوۃ ان تحب ومن تحب یحب غیرک

بدقسمتی یہ ہے کہ تم ایک انسان سے محبت کرو، مگر وہ تمہاری بجائے کسی دوسرے سے محبت کرے۔

او ان ترید الخیر للانسان وھو یرید ضیرک

تم انکے لئے خیر خواہی کا جذبہ رکھو، مگر وہ تمہارے نقصان کی فکر میں رہے۔

(مسلسل)

احکام و مسائل

نائلون کی جرابوں پر مسح کرنے کا حکم

مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ ـــــ مولانا محمد فرید مفتی دار العلوم حقانیہ

نائلون کی موٹی جرابوں پر مسح کے بارہ میں حضرت مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ اور مولانا محمد فرید صاحب مفتی دارالعلوم حقانیہ کی تحقیق پیش ہے۔ اگر کوئی صاحب فقہ حنفی کی روشنی میں اس مسئلہ پر اپنی رائے ظاہر کرنا چاہے اور قابل اشاعت ہو تو اسے الحق میں شائع کر دیا جائے گا۔

ـــــ قاضی انوار الدین

فی الدر المختار او جوربیہ ولو من غزل او شعر الثخینین بحیث یمشی فرسخا ویثبت علی الساق بنفسہ ولا یری ما تحتہ ولا یشف۔ الخ وفی الشرح الکبیر ومنہا و حد للجورب الثخینین ان یستمسک ای یثبت ولا ینسدل علی الساق من غیر ان یشد بشئ ھکذا فسرہ کلہم وینبغی ان یقیدہ بما اذا لم یکن ضیقا فانا نشاھد ما یکون فیہ ضیق یستمسک علی الساق من غیر شد ولو کان من الکرباس۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ جرابوں پر مسح کرنا مشروط ہے۔ چند شرائط کے ساتھ۔ اول یہ کہ گاڑھی اور موٹی ایسی ہوں، کہ اگر صرف جراب پہن کر کم از کم تین میل اس میں چلا جائے، اسے باندھا بھی نہ ہو اور وہ پنڈلی پر سے نہ اتریں۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے فوری طور پر پانی نہ چھنے کما صرح بعض المتقید فی الشرح الکبیر ہے تاً۔ تیسرے یہ کہ ان کے اندر سے کوئی چیز نظر نہ آئے یعنی اگر آنکھ لگا کر اس میں سے دیکھیں تو کچھ نہ دکھائی دے۔ چوتھے یہ کہ پنڈلی سے ذکر تنگی کی وجہ سے نہ ہو۔ پس نائیلون کی جرابیں جتنی ہمارے مشاہدہ میں آئی ہیں، ان میں یہ شرائط موجود نہیں ہیں۔ کیونکہ نائیلون میں ربڑ کی طرح پھیلنے اور سکڑنے کی خاصیت موجود ہے۔ تو پھیلنے کے بعد ان کا نہ گرنا انقباض اور تنگی

کی وجہ سے ہے۔ پھر بسا اوقات تھوڑی مسافت طے کرنے کے بعد وہ پنڈلی سے گر جاتی ہیں۔ کما لا یخفیٰ علی من جرب۔ اور جب ان جرابوں میں سے اتنا کھینچ کر دیکھا جائے جتنا ان کے پہننے کے وقت کھینچا جاتا ہے۔ تو اس سے ہر چیز دکھائی دیتی ہے۔ پھر فوری طور پر اس میں سے پانی بھی چھنتا ہے بخلاف ٹاسٹ کی جرابوں کے۔ تو اس بنا پر ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر نائلون کی ایسی جرابیں موجود ہوں، جن میں یہ تمام شرائط موجود ہوں۔ تو مفتی بہ قول پر ان پر مسح کرنا جائز ہوگا۔ ھذا ما عندی ولعل عند غیری احسن من ھذا۔ (مولانا محمد فرید مفتی و مدرس دارالعلوم حقانیہ)

اس مسئلہ کے متعلق مزید وضاحت کے لئے حضرت العلامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ سے بھی استفسار کیا گیا۔ حضرت افغانی مدظلہ کی تحقیق حسب ذیل ہے:۔

ثخینین کے بارہ میں کتب فقہ میں سے رد المحتار ج اول ص۱۸۱ کی عبارت ذیل ثخینین کے تحت ملاحظہ ہو۔

بحیث یمشی فرسخاً و یثبت علی الساق بنفسہ ولا یریٰ ما تحتہ ولا یشف (الدر) وفی الدرر وفی بعض الکتب ینشف وھو فی الخانیۃ الاول بان لایشف الجورب الماء الی نفسہ کالادیم والصرم وھو الثانی بان لا یجاوز الماء الی القدم وقال تحت بنفسہ ای من غیر شد اھ

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جواز مسح علی الثخینین کے لئے ثخانت کا وجود ضروری ہے۔ جو امور ثلاثہ سے متحقق ہوتا ہے۔ ۱۔ شرعی تین میل یا اس سے زیادہ بغیر جوتے کے آدمی اس میں چل سکے۔ ۲۔ باندھنے کے بغیر پنڈلی سے پیوست رہے۔ ۳۔ پانی اگر اس پہ ڈالا جائے تو اندر نہ جاسکے، ان تین امور کا مجموعہ بالخصوص امر سوم نائلون کی جراب میں متحقق نہیں۔ لہٰذا مسح درست نہیں۔ اس میں احتیاط اس لئے بھی ضروری ہے کہ قرآن پاک میں صرف غسل الرجلین مذکور ہے جو قطعی ہے۔ اور احادیث مسح علی الخفین متواتر یا مشہور ہیں۔ اس لئے تخصیص کے لئے کافی ہیں۔

مسح علی الجوربین فقط میں میرے نزدیک ایسی صحیح السند صریح الدلالۃ احادیث شہرت کے درجہ میں موجود نہیں، اور قیاس علی الخفین کے لئے ان سے مشاکلہ اور مشابہت قویہ کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔

(احقر شمس الحق افغانی بہاولپور)

★

تعارف و تبصرہ

مطبوعات مجلسِ معارف القرآن

دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ معارف القرآن (جس کا تفصیلی تعارف کسی پچھلے شمارہ میں آچکا ہے) حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کی سرپرستی اور فاضل محترم مولانا محمد سالم قاسمی کی ادارت و نگرانی میں اپنے اشاعتی اور تصنیفی کام کا آغاز کر چکی ہے۔ ادارہ کا بنیادی مقصد عصرِ حاضر کے دینی تقاضوں کی روشنی میں قرآنی علوم و معارف کی ترویج و اشاعت ہے۔ اس کے ساتھ ہی اردو، عربی اور انگریزی زبانوں میں حقائقِ کتاب و سنت اور اسلاف و اکابر کے نقوشِ علم و حکمت کو بنیاد قرار دے کر عصرِ حاضر کے نو پیدا لسانی تقاضوں اور فکری مسائل پر ملتِ اسلامیہ کے لئے تصنیفی رہنمائی مہیا کرنا بھی اس کے عزائم میں شامل ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے ادارہ کے سامنے ایک وسیع پروگرام ہے۔ ان منصوبوں کی تکمیل تو کارکنان کے عزمِ صمیم، جوششِ عمل اور اخلاصِ محکم اور قوم و ملت کے دستِ تعاون بڑھانے پر منحصر ہے۔ مگر اب تک ادارہ کی طرف سے جو مطبوعات ظاہری و معنوی رعنائیوں سے کر ہمارے سامنے آچکی ہیں، اسے "شاندار آغاز" اور روشن مستقبل کا آغاز سمجھنا چاہئے۔ دارالعلوم دیوبند عالمِ اسلام کا دل ہے۔ اور ملتِ اسلامیہ کی شریانوں کی تازگی، حرارت اور حرکت اس کی صحتمندی، سرگرمی اور فعالیت پر موقوف ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے ادارہ کی حسبِ ذیل مطبوعات آچکی ہیں:۔

حجۃ الاسلام مکمل
مع تشریح و تسہیل

از افادات حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ صفحات ۱۹۶۔ مجلد مع گردپوش۔ بہترین کاغذ و طباعت۔ قیمت ۵۰/۲ روپے

مؤلف جلیل مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حکمتِ ربانی اور اسلامی علمِ کلام کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ اور لاریب کہ "عقلیت پسند دنیا کے لئے ان کے علوم و معارف میں اسلام کا معقول ترین تعارف موجود ہے۔" ان کے الہامی طرزِ تحقیق نے وقت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر ایک نئے علمِ کلام کی طرح ڈالی۔ حضرت نانوتویؒ کے زمانہ سے کر اب تک اس عظیم دور کی شدت سے

اکابر تک کو احساس رہا کہ حضرت کے فکر آفرین علوم کی عام فہم تشریح ہو اور جدید پیرایہ طباعت و ترتیب میں جلوہ گر ہو سکیں مجلس معارف القرآن نے یہ کام حضرت نانوتوی کے معرکۃ الآراء رسالہ "حجۃ الاسلام" سے شروع کر دیا ہے۔ یہ رسالہ گو ۱۸۷۷ء میں میلہ خداشناسی کے نام سے مسیحی علماء اور ان کے حریف زبان قائد پادری نولس سے مناظرہ کے موقعہ پر صرف ایک شب و روز اور رواروی میں بطور "یادداشت" تحریر فرمایا تھا۔ مگر یہ حضرت کے وہبی اور اعجازی علم و فکر کی اعجاز نمائی ہے کہ کلام و عقائد اور توحید و رسالت سے متعلق کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جس پر حضرت سیدنا الامام نے مخصوص حکیمانہ اسلوب میں روشنی نہ ڈالی ہو نہ صرف عقائد بلکہ عبادات و مناسک، معجزات کی حقیقت اور اس کے بارہ میں کج فہموں کے شکوک و شبہات کا ازالہ بھی حضرت نے اپنے نکتہ آفرین قلم سے فرمایا ہے۔ یہ رسالہ اس سے قبل حضرت شیخ الہند کی تبویب اور عنوانات و مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا مگر ایک تو سوائے عنوانات کی تسہیل اور توضیح کیطرف توجہ نہیں دی گئی تھی۔ دوسرے کتاب کا کچھ آخری حصہ اس میں شامل نہ ہو سکا تھا، جو تتمہ کے نام الگ چھپ چکا تھا مگر نایاب تھا۔ اب "معارف القرآن" نے دارالعلوم دیوبند کے ایک لائق استاد مولانا اشتیاق احمد سے اسکی تسہیل و توضیح کرائی اور تتمہ والا نایاب حصہ مطبوعہ علی گڑھ بھی اس میں شامل کر لیا۔ "حجۃ الاسلام" اپنی موجودہ شکل میں ہر لحاظ سے کامل اور جامع نسخہ ہے۔ اور مشتاقین معارف قاسمیہ کے لئے اس میں دیدہ و دل دونوں کا سامان موجود ہے۔ کتاب کی موجودہ شکل نے معارف قاسمیہ پر کام کرنے والوں کے سامنے ایک نمونہ بھی رکھ دیا ہے جسے اپنی اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق بڑھایا اور پھیلایا جا سکتا ہے۔ حضرت نانوتوی کے تمام علوم و معارف کے نئے انداز میں ترتیب و اشاعت اور تشریح و تسہیل وقت کی اہم ضرورت ہے۔ البتہ یہ خیال رہے کہ اس علمی انحطاط کے زمانہ میں تشریح و توضیح میں عام فہم اور سلیس زبان کا لحاظ زیادہ سے زیادہ رکھنا چاہئے۔۔۔ "حجۃ الاسلام" کے مصنف اپنے وقت کے "حجۃ الاسلام" تھے۔ ان کے علوم و معارف سے ارباب علم و بصیرت کی بے اعتنائی ایک عظیم نعمت سے محرومی ہوگی۔

تفسیر المعوذتین

از شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی — قیمت: ایک روپیہ

باون صفحات پر مشتمل اس کتابچہ میں سورۃ فلق اور والناس پر حضرت کی تحقیقات کو عربی جامہ پہنا کر پیش کیا گیا ہے۔ ابتدا سے کتاب میں حضرت کے حالات و سوانح پر مشتمل حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہ کا عربی زبان میں مقدمہ شامل ہے۔ کتاب عمدہ کاغذ پر عربی ٹائپ میں چھپی ہے۔ قاسمی علوم و معارف کی اشاعت کے سلسلہ میں ایک اہم کام عربی زبان میں انہیں پیش

کرتا ہے۔ خدا کرے ادارہ حضرت کی اکثر تصانیف بلکہ دیگر اکابرین دیوبند کے علوم کو بھی عربی زبان میں اسی شان سے پیش کر سکے۔ دیوبند اور علوم دیوبند سے عرب دنیا کا تعارف کئی فکری ذہنی فتنوں کے استیصال کے لئے ضروری ہے۔

دینی دعوت کے قرآنی اصول — از حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ صفحات ۱۳۲ - قیمت ۲/۲۵ روپے

اسلام ایک دعوتی اور تبلیغی مذہب ہے۔ خداوند کریم نے آیت: وادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ میں دعوت کے جس طریق کار کی طرف اشارہ فرمایا ہے، حضرت حکیم الاسلام نے اپنے مخصوص حکیمانہ اسلوب اور عارفانہ انداز میں اس آیت کی تشریح و تفسیر کی ہے۔ اور بلاشبہ حضرت مولف کے طبع رواں نے اصول دعوت اسلام کا یہ مقالہ قرآنی علوم کے سرچشمہ سے نکلا ہوا ایک علمی مرقع اور قرآنی مستنبطات کا ایک بصیرت افروز مجموعہ بنا دیا ہے۔ آیۃ مذکورہ سے ۷۲ یا اس سے زیادہ اصول اخذ کر کے انہیں جامع عنوانات کے تحت منضبط کر دیا گیا ہے۔ کتاب کی تمہید میں حضرت مولف نے قرن اول کی ساری عزتوں اور شوکتوں کا سرچشمہ تبلیغ و دعوت کے جس معیار کو پیش کیا ہے۔ اور عظمت رفتہ کے حصول کے لئے دعوت الی اللہ کے جس طریق کار کی نشاندہی کی ہے، ارباب علم و بصیرت اور اصحاب دعوت کے لئے اس میں خاص طور سے لمحہ فکریہ ہے۔ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے پوری کتاب ایک رہبر کی حیثیت رکھتی ہے۔ بلاشبہ قرآن کریم سے مستفاد ان ہدایات اور خطوط پر چل کر دعوتی کاموں کے خاطر خواہ ثمرات ظاہر ہو سکتے ہیں۔

قرآن محکم — از مولانا عبدالصمد رحمانی مدظلہ نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ۔ صفحات ۱۲۰۔ قیمت دو روپیہ۔ کاغذ و طباعت عمدہ مجلد مع گرد پوش۔

قرآن کریم سے متعلق اہم مباحث میں ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ناسخ و منسوخ کا ہے جس پر ہر زبان میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس مسئلہ پر ملحدین و زائغین کی طرف سے جتنے سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ اس میں زیادہ تر دخل خود پیش کرنے والوں کے مبہم اور غیر واضح بلکہ بسا اوقات غلط طریق پر اسکی تعبیر و تشریح اور قلت تدبر کا ہے۔ متقدمین کے ہاں نسخ بڑے وسیع مفہوم میں مستعمل ہوتا ہے۔ تبیین مجمل، تقیید مطلق، شرط اور استثناء، تخصیص عام، تاویل اور بیان متبادر و غیر متبادر سب ان کے ہاں نسخ میں آتے ہیں۔ متاخرین کو بھی اس معنی میں نسخ سے انکار نہیں۔ البتہ نسخ کا معنی اگر امر شرعی کے بوجہ جواز اور ازالہ حکم بحیثیت لایجوز امتثالہ لیا جائے۔ اور نصوص میں تضاد و تعارض

پیدا ہو تو اس کے رد تو متاخرین قائل ہیں۔ اور نہ متقدمین کہ آیت : ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا الخ
خود اس نسخ کی نفی کر رہی ہے۔ بظاہر بعض نصوص پر جو تعارض و تضاد محسوس ہوتا ہے۔ تو اسے قلتِ
تدبر اور سوءِ فہم کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے۔ متاخرین نے ان نصوص میں تطبیق اور نسخ کی مثالوں کو کم سے کم
کرنے کی سعی کی ہے۔ ابن عربی اور شیخ سیوطی نے ان آیات کی تعداد کو پانچ سو سے گھٹا کر ۲۱ اور
۱۹ تک اور شاہ ولی اللہ نے ۵ تک گھٹا دیا ہے۔ مؤلف کتاب مولانا عبدالصمد رحمانی مدظلہ نے
بھی اپنی گہری علمی و فقہی بصیرت کی روشنی میں اس مسئلہ پر نئے انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اور ثابت
کیا ہے۔ کہ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ مولانا موصوف نے نسخ بمعنی عام کا انکار نہیں کیا۔ اور
دوسرے معنی میں ان پانچ نصوص کی بھی تطبیق فرمائی ہے۔ جن میں شاہ ولی اللہ نے نسخ کا قول کیا تھا۔
متقدمین اپنے ہاں کے نسخ کے مفہوم کی بناء پر قرآن کریم کے ایک معتدبہ حصے کے نسخ کے قائل ہوئے
جس سے قرآن کریم کے کتاب محکم ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اس صورت میں ان کی اس قسم کی تاویلات
اور اقوال کو "دھینگا مشتی" (ص ۹۳ اور ص) کے لفظ سے یاد کرنا علمی ثقاہت کے خلاف ہے۔
اس میں شک نہیں کہ مؤلف نے ایک اہم قرآنی مسئلہ پر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور بقول مولانا
محمد طیب مدظلہ اس سلسلۃ الذہب شیخ سیوطیؒ اور شاہ ولی اللہ میں ایک کڑی کی جگہ خالی تھی
حق تعالیٰ نے یہ مقام عزت و شرف مؤلف موصوف کو مرحمت فرما دیا ہے۔ قرآنی علوم سے شغف
رکھنے والے افراد سے عموماً اور عربی مدارس کے علماء و اساتذہ کے لئے خصوصاً اس کتاب کا مطالعہ
بے حد مفید اور ضروری ہے۔

——— ش ۔ ع ———